چوں شدی دور از حضورِ اولیاء!
در حقیقت گشتہ ای دور از خدا

(مولانا رومؒ)

333
1102

میرِ کارواں

تذکرہ

شیخ الاولیاء حضرت خواجہ سیّد محمود بنوریؒ بخاریؒ ثم شامیؒ قدس سرہٗ

۴۴۷ھ / ۱۰۵۵ء — ۵۱۵ھ / ۱۱۲۱ء

بتالیف

میاں اخلاق احمد ایم۔اے

ناشر

میاں اخلاق احمد (ایم اے) ۳۴۴ شادباغ لاہور (پاکستان)

سید عارف محمود مہجور رضوی

Marfat.com

جُملہ حقوق محفوظ

نام تالیف ——— میرِ کارواں۔ تذکرہ حضرت خواجہ سیّد محمود بنوریؒ بخاری، ثم سُنامیؒ۔

مؤلّف ——— میاں اخلاق احمد ایم۔اے (پنجاب) لاہور۔

ناشر ——— میاں اخلاق احمد ایم۔ اے (پنجاب) لاہور

طبع ——— بار اوّل

سال طباعت ——— ۸۱ - ۱۹۸۲ء

کتابت ——— عبدالمجید جنجوعہ راجپوت۔

تعداد صفحات ——— ۹۶

تعداد اشاعت ——— پانچ سو (۵۰۰)

مطبوعہ ——— افضل شریف پرنٹرز۔ حویلی کابلی مل چوک رنگ محل لاہور۔

زیر اہتمام ——— میاں احمد بدر اخلاق صاحب بی ایس سی۔

Marfat.com

مندرجات

	صفحہ
ابتدائیہ از مؤلف	۹
تعارف از جناب اسد نظامی قلندر صاحب	۷
باب ۱۔ خانوادہ، والدین، ولادت، وطن، اسم والقاب اور شجرہ نسب حضرت خواجہ سیّد محمود بنوئی رح	۱۴
باب ۲۔ آپؒ کے بعض مشائخِ طریقت اور پیر و مُرشد	۱۷
باب ۳۔ زیارت حرمین شریف	۲۱
باب ۴۔ آپؒ کا سفرِ ہندوستان اور شنام میں قیام	۲۴
باب ۵۔ شنام۔ تعارف	۲۷
(ا) جائے وقوع	۲۸
(ب) وجہ تسمیہ	۳۰
(ج) تاریخ	۳۲
(د) پیداوار اور عوام	۳۴
(ذ) اہمیّت اور چند مشاہیر	۳۶
باب ۶۔ شنام میں آپؒ کی تبلیغی مساعی اور اشاعت دینِ اسلام	۵۶
باب ۷۔ آپؒ کے بعض خوارق و کرامات	۵۹
باب ۸۔ وصال شریف اور مزار مبارک	۶۲
باب ۹۔ درگاہ عالی کی تولیت	۶۵
باب ۱۰۔ آپؒ کے مشائخ طریقت کا شجرہ طیّبہ	۶۹
(ا) (i) تتمہ (ii) حوالہ جات (iii) توضیحات (iv) احوال بعض رجال مذکور در تذکرہ، (۲) کتابیات	۷۱ ۹۳

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبادالرحمان

(۱)

اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جو زمین پر دبے پاؤں عاجزی کیساتھ چلتے ہیں ان کی چال ڈھال میں تواضع متانت اور خاکساری ٹپکتی ہے ان کے ہر قول و فعل سے بندگی کا اظہار ہوتا ہے۔

(۲)

جب ان سے جاہل بے سمجھ بات کریں تو سلام کہتے ہیں۔ اللہ کے بندے کم عقل اور بے ادب لوگوں کو جاہلانہ گفتگو کا جواب نہیں دیتے۔ عفو در گذر سے کام لیتے ہیں۔ غرض جوان کا وقت بیکار گفتگو میں صرف ہوتا وہ اللہ کی یاد میں صرف کرتے ہیں۔

(۳)

وہ لوگ اپنے رب کے سامنے سجدہ میں یا کھڑے ہو کر رات گذارتے ہیں۔ عبادالرحمٰن کے شب و روز اس طرح بسر ہوتے ہیں کہ جب رات کو غافل لوگ نیند اور آرام کے مزے لوٹتے ہیں یہ خدا کے آگے کھڑے اور سجدے میں پڑے گذارتے ہیں، اور دن کو جب لوگ دغا فریب اور معصیت کی طرف لپکتے جا رہے ہوتے ہیں تو اس وقت یہ کسبِ حلال میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ غرض دن رات مصروف عبادت ہوتے ہیں۔

(ترجمہ القرآن)

Marfat.com

اِنتساب

ان اکابرین کے نام جنہوں نے اقوامِ عالم کو اللہ تعالےٰ کی وحدانیّت ، محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کی سچائی کی دعوت دی ۔ زندگی بھر اسلام کے علم و عُرفان کی دولت عوام النّاس تک پہنچانے میں سرگرم عمل رہے ۔ جن کا چشمۂ فیض آج بھی جاری و ساری ہے اور فیوض و برکات سے اہلِ اسلام کے دلوں کو منوّر کر رہا ہے۔

احقر

اخلاق احمد

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحْمٰن

ارشادات

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ ط وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ یُبَشِّرُھُمْ رَبُّھُمْ بِرَحْمَۃٍ مِّنْہُ وَرِضْوَانٍ - الآیۃ (التوبۃ: ۲۰، ۲۱)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کے لئے اپنے گھر بار اور وطن کو خیرباد کہا اور خدا کے راستے میں اپنے جان و مال سے جہاد کیا، پس اللہ تعالےٰ کے ہاں ان کا بہت بڑا درجہ ہے اور وہ ہی کامیاب و کامران ہونے والے ہیں۔ ان کا رب انہیں خوشخبری سُناتا ہے (انکی قربانیوں کے بدلے میں) اپنی رحمت کی اور اپنی رضا کی۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران ۳۱)

فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری غلامی اختیار کر لو، (نتیجۃً اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبۃ ۱۱۹)

اے اہلِ ایمان، اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صدق والوں کی معیت اختیار کر لو۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (البقرۃ)

جو لوگ خدا کی راہ میں قتل ہوئے ان کو مُردہ تصوّر نہ کرو وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھ سکتے۔

Marfat.com

تعارف

(جناب اسد نظامی قلندر صاحب)

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

بزرگانِ دین کی دینی اور روحانی خدمات کے موضوع پر بیشمار کتابیں لکھی گئی ہیں جن کے عقائد و اعمال میں یکسانیت، دینِ حق پر استقامت، اعلائے کلمۃ الحق، کفر و ضلالت سے نفرت، حق سے والہانہ محبت کے تذکرے اس قدر کثیر ہیں کہ جسے احاطہ کرنا ایک انسانی عقل سے باہر ہے کیونکہ ان اسلاف کی خدماتِ جلیلہ اور انکی زندگی کے مقدس واقعات پر مشتمل حالات ارضِ تاریخ پر ثبت اور مرقوم ہیں جسکا انکار کرنا کفرانِ نعمت کے مترادف تصور کیا جانا صحیح ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ بزرگانِ دین کا سرزمینِ حجاز اور دیگر علاقوں سے محض دینی خدمات کے پیشِ نظر برصغیر پاک و ہند میں تشریف لاکر اپنے کردار کی بدولت کفرستان کو اسلامستان میں تبدیل کیا۔ اگرچہ سلاطین نے اپنی تلوار کے بل بوتے پر مختلف علاقوں کو فتح کیا مگر بزرگانِ دین کے ہاتھوں تلوار کی بجائے نگاہِ عظمت و مستی سے نہ صرف دینی عظمتوں کو قائل کرایا بلکہ مسلمان بناکر مجسمۂ اخلاقِ پیکر علم و ادب بنا دیا اگرچہ ان بزرگانِ دین کا وجود نہ ہوتا تو آج مساجد و مزارات کی بجائے پورے کا پورا برصغیر پاک و ہند قعرِ مذلت کفر و شرک کی آماجگاہ تصوّر ہوتا ؎

درویش را بہ شہر نہ بودے اگر مقام گشتے سراسر ایں ہمہ عالم خراب حال

حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت خواجہ غریب نوازؒ، حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ، حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت سلطان العارفین سلطان باہوؒ جیسی عظیم ہستیوں نے اس خطہ میں جو دینی اور روحانی معرکے انجام دیئے انکی نظیر نہیں ملتی۔

خطۂ سُنام میں بھی علماء و صلحاء نے اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر گامزن ہوتے ہوئے دینی عظمتوں کے جھنڈے لہرائے۔ کفر و نفاق سے دلوں کو اپنی مقدس نگاہوں سے پاک کرکے نورِ ایمان سے لبریز کر دیا۔ حضرت خواجہ سیّد محمود بنوریؒ کا نام گرامی سرِفہرست ہے جو "میرِ کارواں" کہلائے جنہوں نے اخلاص و محبت سے ہندوؤں کے دل جیت لیے اور مختصر قیام میں دینی اور روحانی انقلاب برپا کر دیا لوگوں کو صنم کدوں میں اصنام کے سامنے جبیں سائی کرنے کی بجائے راہِ مستقیم پر چلایا۔ کفر و

Marfat.com

ضلالت کو یکسر ختم کر کے دینی محبت کا مرقع بنا دیا۔ اس سرزمین میں نہ صرف حضرت سید خواجہ محمود بنوی نے اپنی دینی اور روحانی خدمات انجام دیں بلکہ دیگر بزرگانِ دین کی خدمات بھی اس خطہ میں ناقابل فراموش ہیں۔

محترم میاں اخلاق احمد صاحب ایم۔ اے مدظلہ نے اس موضوع پر بڑی محنت سے تحقیق کی ہے اور مواد اور معلومات کی چھان بین میں اور فراہمی میں بڑی کاوش کی ہے۔ آپ کا موضوع ایسے ولی اللہ کا تذکرہ اور ان کی ہستی کو اجاگر کرنا مقصود ہے جنکے حالات ریت کے ذرّوں کی طرح مختلف کتابوں میں بکھرے پڑے تھے۔ میاں صاحب نے پا پیادہ اور ذاتی مصارف پر اُس منبع سے اکتساب فیض کیا جو قلمی، کتابی، نجی یا قومی ادارے میں کہیں بھی محفوظ تھا۔ یہ ایک فرد کی کامیاب اور قابلِ تحسین کوشش ہے۔ اس کتاب میں آپ نے رشتہ تصوف کے ان خوبصورت اور قیمتی موتیوں کی قدر و قیمت کو علمی دنیا کے سامنے اس طرح واضح کیا جس کے لئے صوفیاء کے ارادت مند اور علمی حلقے دونوں ان کے ممنون ہیں اور مدتوں بعد ایسی مستند کتابیں منصہ شہود پر آیا کرتی ہیں ۔

عمرہا در کعبہ و بت خانہ مے نالد حیات ۔۔۔ تا ز بزمِ غیب یک دانائے راز آید بیروں

حضرت خواجہ سید محمود بنوی کی زندگی کے حالات اور انکی دینی و روحانی خدمات، شام کی تاریخی حیثیت اور کیفیت پر جس انداز میں تحقیقی اور مبسوط مقالہ لکھا جس پر جس قدر موصوف کو خراج تحسین پیش کیا جائے اُتنا ہی کم ہے۔ جناب میاں صاحب ازیں قبل تذکرہ حضرت خواجہ خاوند محمود المعروف بہ حضرت ایشاںؒ، تذکرہ حضرت سیدنا امام علی الحق سیالکوٹیؒ، لاہور کے دو قدیم صوفی اور تذکرہ حضرت شاہ بلاول قادریؒ جیسی بہترین کتابوں پر علمی و تحقیقی دنیا سے اپنا لوہا منوا چکے ہیں حتیٰ کہ ناقدین حضرات بھی میاں صاحب کی تحقیقی دیانت پر حرف گیری نہ کر سکے۔

آخر میں خداوند کریم سے یہ احقر دست بدعا ہے کہ اے رب العزت میاں صاحب کے پُرخلوص تحقیقی انداز، بزرگانِ دین سے علمی اور روحانی وابستگی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما۔ مزید بزرگانِ دین کے روحانی اور علمی کارناموں پر مشتمل ایسی کتابیں لکھنے کی توفیق ارزاں عطا فرما،

احقر العباد

اسد نظامی موسوی قلندر جہانیاں منڈی ضلع ملتان

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ہر کرا علم و ملک و دین باشد　　عین آبِ حیات ایں باشد

راقم الحروف اس سے قبل "لاہور کے دو قدیم صوفی" یعنی تذکرہ حضرت سیّد اسحاق گازرونی المعروف بہ حضرت میراں بادشاہ قدس سرہٗ اور تذکرہ حضرت سیّد صوف المعروف بہ حضرت سیّد سعید صوف لاہوریؒ شائع کر چکا ہے جسے تقریباً آٹھ ماہ کا عرصہ ہوا ہے۔ اس تذکرہ میں میں نے حضرت سیّد اسحاق گازرونیؒ اور سیّد صوف لاہوریؒ کی شخصیت کے تمام پہلوؤں پر ضروری اور دستیاب معلومات جمع کر کے سوانحی خاکہ تکمیل کر دیا ہے اور دوسرے یہ کہ دینی اور علمی خدمات، روحانی فیوض و برکات اور جہاد کے اُن گوشوں کو زیادہ اُجاگر کیا جن سے شخصیت کا مشن اور رول واضح ہو جسے اہلِ علم حضرات اور خاص کر تشنگانِ علم و تحقیق نے بے حد پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا اور حوصلہ افزائی کا اظہار بھی کیا ہے۔ اس خاکسار کو چند دوستوں نے مجبور کیا کہ میں قصبہ سُنام مشرقی پنجاب (بھارت) کے ایک قدیم نہایت فراموش شُدہ عظیم صوفی اور مبلّغِ اسلام حضرت خواجہ سیّد محمود بغوی، بخاری ثم سُنامیؒ کے حالات و واقعات زندگی اور ان کے علمی و روحانی فیوض و برکات قلم بند کر دوں۔

پنجاب کے شمالی اور وسطی حصّے چوتھی صدی ہجری کے آخر تک نُورِ اسلام سے منوّر نہیں تھے۔ یہاں تک کہ پنجاب کے سیاسی اور معاشرتی حالات دگرگوں تھے۔ کافروں اور ملحدوں کا غلبہ تھا اور نہ جانے کتنے خود ساختہ خداؤں اور اوتاروں کی سرزمین تھی اور یہاں کے

باشندوں کے دل سے احساسِ انسانیت اور احترامِ آدمیت بالکل مفقود تھا۔ اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں سب سے پہلا قدم شمال کی جانب سے غزنی کے حکمران امیر سبکتگین نے فتح پشاور کے ساتھ اٹھایا جو پنجاب کے پال خاندان کے ہندو راجہ کی حکومت میں تھا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے محمود غزنوی نے اس کام کو اور ترقی دی۔ اس نے ہندوستان پر مسلسل سترہ حملے کئے ۴۱۱ھ/۱۰۲۰ء اور ۴۱۲ھ/۱۰۲۱ء میں بٹھنڈا اور لاہور فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔

شمالی ہند (پنجاب) میں نمائندہ حکومت قائم ہو گئی۔ ان نمائندوں کے قیام کے باعث یہاں اشاعتِ اسلام کی راہ سہل ہو گئی۔ پھر پانچویں صدی ہجری کے آغاز میں صوفیاء عظام، اولیاء کرام اور علماء ذیشان کی آمد و رفت شروع ہو گئی اور انہوں نے شمالی ہند (پنجاب) کو اپنی مستقل سکونت اور مرکز دعوت و تبلیغ کے لئے منتخب کیا اور تبلیغی مشن سے یہاں آئے مگر اکثر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ان کی حیات کے دم قدم سے شمالی ہند (پنجاب) کا کفرستان نورستان میں بدل گیا۔ ان کی شیریں گفتار، ان کا زہد و تقویٰ اور ان کی سیرت و کردار اور روحانی فیوض و برکات نے قبول اسلام کے سلسلے میں جادو اثر کام انجام دیا اور ایک انتہائی متعصب قوم پر گہرے اثرات چھوڑے جو مسلم قوم کو غاصب خیال کر کے اس سے شدید نفرت کرتے تھے۔ تبلیغ سے متاثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

یہ اسلام کے بے لوث اور مخلص مبلغین تھے۔ پنجاب کے شمالی اور وسطی حصے کا اولین مبلغ کون تھا؟ مورخین اور تذکرہ نگاروں میں اس بارے اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ پھر بھی اکثر مورخین اور تذکرہ نویس اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ حضرت شاہ یوسف گردیزیؒ، حضرت شیخ اسماعیل محدث و مفسر لاہوریؒ، حضرت شیخ میراں حسین زنجانیؒ اور حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخشؒ عہد غزنوی میں لاہور تشریف لائے اور نامساعد حالات میں اپنی تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے اور ظلمت کدہ میں توحید الٰہی اور شریعتِ اسلامیہ کی شمع کو فروزاں کیا اور لاکھوں غیر مسلم حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ یہ دور شمالی ہند میں اسلام کا ابتدائی تبلیغی دور تھا۔ اسی دور میں حضرت امام سید نا علی الحقؒ بھی خراسان سے لاہور تشریف لائے۔ بعد ازاں ایک لشکر کے ہمراہ سیالکوٹ تشریف لے گئے اور پھر اسی مقام پر سکونت اختیار

Marfat.com

کی۔ اپنے اعزا و اقارب سمیت ایک جہاد میں شہادت کی دولت سے سرفراز ہوئے۔

حضرت خواجہ سید محمود بنویؒ (پیدائش ۴۲۲ھ۔ وفات ۵۱۵ھ) بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔ جنہوں نے علاقہ شام مشرقی پنجاب (بھارت) میں آکر اسلام پھیلانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ آپ کی تشریف آوری کے زمانہ میں ہندو دھرم کے پیروکاروں کی کثرت تھی۔ علاقہ شام مشرقی پنجاب (بھارت) کفر و جہالت کی لپیٹ میں تھا اور ان لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لئے مسلسل کئی سال ناقابلِ برداشت اذیتیں اور صعوبتیں سہنے کے باوجود اپنے مشن میں آگے بڑھتے رہے اور اس ظلمت کدہ میں بھرپور اشاعتِ اسلام فرمائی اور ہزاروں غیر مسلم لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

حضرت خواجہ سید محمودؒ قریہ "بنو" کے باسی تھے اور اسی وطن کی نسبت سے "بنویؒ" کے نام سے شہرت پائی۔ "بنو" ایک چھوٹا سا گاؤں بیان کرتے ہیں جو زندان (ترندان) توابع بخارا سے چند کوس کے فاصلے پر تھا۔ جب آپ بسلسلہ تبلیغ اور اشاعتِ اسلام علاقہ شام مشرقی پنجاب (بھارت) میں تشریف لائے تو عوام الناس میں آداب و احترام اور عقیدت کی بنا پر آپ پیرؒ "بنا بنویؒ" کے نام سے معروف ہو گئے۔

آپ پانچویں صدی ہجری کے عظیم صوفی اور عظیم مبلغِ اسلام ہیں شمالی ہند (پنجاب) میں اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں آپ کی خدمات نہایت قابلِ قدر ہیں۔ لیکن افسوس کہ آپ کی جملہ مساعی کو یکجا کر کے کتابی صورت میں ترتیب نہیں دیا گیا۔ معاصرانہ تذکروں اور کتب تاریخ میں ذکر نہ ہونے کے باعث آپ کی زندگی کے حالات بڑے حد تک پردۂ اخفا میں ہیں اور بعض مقامات پر خاصہ تضاد بھی نظر آتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ اور ماخذ مل جانے سے یہ الجھنیں رفع ہو سکیں۔

دستیاب مصادر و ماخذ کی روشنی میں اس ولی اللہ کی صحیح شخصیت ان کے کارنامے اور ہم عصر تاریخی حالات کا ایک تفصیلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں قصبہ شام کی جغرافیائی حیثیت، تاریخ، نام کی وجہ تسمیہ، اہمیت اور چند مشہور، ناقابلِ فراموش اکابر شخصیتوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ تاکہ قارئین کرام صحیح ماحول سے آشنا ہوں۔

اس تحریر میں ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ حالات اور واقعات بالکل درست درج کئے

Marfat.com

جائیں۔ مبالغہ سے قطعاً اجتناب کیا گیا ہے۔ جہاں کہیں شک و شبہ پیدا ہوا ہے وہاں یا تو وہ واقعات نظر انداز کر دیئے گئے ہیں، یا پوری تحقیق کے بعد رقم کئے گئے ہیں۔ البتہ ان اکابرِ دین کی سوانح حیات کے ذکر میں جہاں کہیں کسی اور بزرگ یا کسی اہم اور عظیم ہستی کا نام آگیا ہے۔ آخر میں اس کا ذکر نہایت اختصار کے ساتھ تحریر کر دیا ہے اور اکثر مقامات پر اصل ماخذ کے حوالے بھی درج کر دیئے گئے ہیں تاکہ مفصل مطالعہ کے لئے اصل کی طرف رجوع کیا جا سکے۔

ان مبلغینِ اسلام جن کو ہم صوفیائے کرام یا اولیاء اللہ کے نام سے یاد کرتے ہیں کہ سوانح، کردار اور تعلیمات سے عوام کو آگاہ کرنا دراصل ان کے عظیم مشن کو زندہ رکھنا ہے۔ ان اکابرین کی بے لوث اور مخلصانہ کوششوں کا نتیجہ تھا کہ خطّہ ہند میں لوگ اتنی بڑی تعداد میں اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئے۔ اور خانقاہی نظام تعلیم و تربیت کا ایک جزو بن گیا۔ پھر سرہند شریف کے مجدّدی مکتب فکر نے اس فن کو اتنی ترقی دی کہ اسے معراجِ کمال تک پہنچا دیا۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ "ملّتِ ما جداگانہ است" اور یہ بھی بتایا کہ کفر و اسلام دو علیحدہ حقیقتیں ہیں جو کسی طرح یکجا نہیں ہو سکتیں۔ اس انقلاب و تبدیلی کے نتیجہ میں بیسویں صدی عیسوی کے وسط میں پاکستان کے نام سے ایک عظیم اسلامی مملکت معرضِ وجود میں آئی جس کی سیاست ثقافت، تصوف اور شریعت جداگانہ ہے اور اسی سبب اس ارضِ پاک میں آج مسلمان آزادی، عزّت اور آبرو کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ترقی کی منازل پر گامزن ہیں۔

میں آخر میں اپنے دوست محترمی جناب میاں عالمگیر شجاع صاحب، سیّد نذیر حسین صاحب، میاں عالم حسین صاحب چیمہ، جناب خسروی صاحب (کراچی) اور جناب رام لعل صاحب نابھوی اور سیّاح سنامی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ ان حضرات نے اس کتاب کی تدوین و تالیف میں میری مدد فرمائی اور حقیقی مشوروں سے مجھے نوازا، بعض قابلِ قدر اور نایاب کتب اور مواد فراہم کئے۔ ان کے علاوہ اپنے دوستوں اور بزرگوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے مشوروں اور دعاؤں سے نوازا۔ خاص طور پر پروفیسر کبیر احمد مظہر صاحب میرے شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اس کتاب کے مسودہ پر نظرِ ثانی کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

Marfat.com

میاں عبدالمجید جنجوعہ صاحب (وزیر آبادی) کا میں بے حد ممنون ہوں جن کا تعاون اوّل تا آخر مجھے حاصل رہا۔ تحریر و ترتیب اور کتابت و طباعت کے جملہ مراحل میں نہایت محبّت و خلوص سے میرا ساتھ دیا۔

ناظرین سے میری استدعا ہے کہ اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو درگزر فرمائیں اور مجھے اپنی بیش بہا معلومات اور زرّیں آراء سے محروم نہ رکھیں۔

آخر میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ میری اس حقیر خدمت کو قبول فرمائیں اور اسے فلاحِ دارین کا موجب بنائیں۔ آمین! ثم آمین

۳۳۳ شاد باغ
لاہور
اپریل ۱۹۸۱ء

خادم الفقراء
میاں اخلاق احمد عفی عنہ
(کاچھو)

Marfat.com

باب - ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خانوادہ، اسم والقاب، والدین، وطن وشجرہ نسب حضرت خواجہ سیّد محمود بنوی رح

ہماری ملّی تاریخ جن درخشندہ ستاروں سے عبارت ہے ان میں حضرت خواجہ سیّد محمود بنوی رح بھی ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ آپ مقام قریہ "بنو" ۲۷ رمضان المبارک ۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام حضرت خواجہ سیّد قطب الدین رح بنوی تھا۔ جو اپنے وقت کے مشہور و معروف بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بزرگانِ عرب کی اولاد سے تھیں جو بڑی عابدہ، عارفہ، صالحہ، متقیہ اور صاحب کشف و کرامات تھیں۔

مقام "بنو" ایک چھوٹا سا گاؤں جو زندان (ژندان) سے چند کوسوں کے فاصلے پر واقع تھا کے رہنے والے تھے۔ علاقہ زندان (ژندان) بخارا کے توابع تھا مگر "بنو" ایک دُور افتادہ، بے رونق اور غیر آباد مقام تھا جس کی آبادی جو پہلے ہی کم تھی۔ مدتوں بعد انقلابات زمانہ کے سبب اور گھٹ کر قلیل ہو گئی یا اب مٹ چکی ہو گی۔ اس سرزمین کے باشندے بادشاہوں وامراء کے درباروں، بڑے شہروں کی زندگی کے ہنگاموں سے دُور اور بیخبر تھے۔ مگر بڑے خلیق، متواضع اور دیانتدار تھے۔

مشرقی پنجاب (بھارت) کے عوام میں یہ بات بہت مشہور ہے کہ حضرت خواجہ سیّد محمود بنوی رح المعروف بہ پیر بنّا بنوی افغان حملہ آور تھے۔ کسی مسلمان بادشاہ کے فوجی سردار تھے۔ علاقہ سُنام کو فتح کرنے آئے تھے۔ سُنام کے ہندو راجپوت قلعدار سے ان کا مقابلہ ہوا۔ اور دست بدست لڑائی میں شہادت پائی۔ سُنام میں دفن کئے گئے۔

یہ روایت بھی سُننے میں آئی ہے کہ حضرت پیر بنّا بنوی رح بنّوں کو ہاٹ میں رہتے تھے وہاں سے بارات لے کر جا رہے تھے کہ راستے میں سُنام کے مقام پر ایک ہندو راجپوت حکمران جو ظالم و جابر تھا اور رعایا پر بہت ظلم کرتا تھا سے ان کا کسی بات پر تنازعہ ہو گیا۔ اس

Marfat.com

کے سپاہیوں نے باراتیوں سمیت آپ کو قتل کر دیا۔ پھر گڑھا کھود کر وہاں دفن کر دیا۔ بعد میں اس مقام کا نام "گنج شہیداں" مشہور ہوا۔

متذکرہ روایات غیر محقق ہیں اور تاریخی لحاظ سے غیر صحیح ہیں۔ ہم بلا تردید کہہ سکتے ہیں کہ پانچویں صدی ہجری میں شمالی ہند کے سرحدی علاقوں میں "بنوں" "یا کوہاٹ" "یا بنوں کوہاٹ" کے نام کا کوئی مقام ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔ شمالی ہند (پنجاب) میں غزنوی خاندان کی حکومت تقریباً پونے دو سو سال تک رہی اور البیرونی[2] جو ماہر علم تاریخ اور محمود غزنوی کے دربار کی زینت تھا، نے شمالی ہند (پنجاب) کے پُر رونق شہروں کی سیر و سیاحت کی اور اُن کا آنکھوں دیکھا حال اپنی شہرہ آفاق تصنیف "کتاب الہند" میں بیان کرتا ہے۔ ان میں "بنوں" "یا کوہاٹ" یا بنوں کوہاٹ کسی شہر کا ذکر نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ معروف تاریخ طبقاتِ ناصری کے اوراق اس نام کے شہر سے نا آشنا ہیں جس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ پانچویں صدی ہجری میں یا اس سے قبل اس نام کا کوئی شہر شمالی ہند (پنجاب) میں معرضِ وجود میں نہیں آیا تھا۔ یہ محض عوام کا قیاس اور من گھڑت روایات ہیں جن سے کوئی سچائی اور حقیقت آشکارہ نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر نریش صاحب[3] چنڈیگڑھ (بھارت) مقالہ "درگاہ حضرت محمود بنوئی سنام" میں ایک روایت کا حوالہ دیتے ہیں جو عوام میں بہت مشہور و معروف ہے۔ ذکر کرتے ہیں کہ سنام سے تین میل کے فاصلے پر علاقہ "سورج کنڈ" میں ایک جاگیر دار حکمران تھا۔ "سورج کنڈ" اور اس کے گرد و نواح کا سارا علاقہ اس کے زیر نگیں تھا۔ سخت جابر تھا۔ سونا نام کی ایک دوشیزہ[4] براہمن کی لڑکی تھی۔ اس کی شادی ایک نوجوان براہمن کے ہمراہ قرار پائی، بارات آئی جب ڈولی لے کر واپس اپنے گاؤں جانے لگے تو حاکم کے سپاہیوں نے ڈولی کو زبردستی روک لیا اور آگے نہ جانے دیا۔ چاہتے تھے کہ وہ دلہن کو قلعہ میں حاکم کے پاس لے جائیں۔

بچارا لڑکی کا باپ نار و زبون اور دردمندانہ حالت میں حضرت خواجہ سیّد محمود بنوئیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی دُکھ بھری داستان بیان کی اور مدد کا خواستگار ہوا، حضرت خواجہؒ نے ڈولی اور باراتیوں کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ مختصر یہ کہ حضرت خواجہؒ کے عقیدت مندوں اور سرکاری اہل کاروں کے درمیان دست بدست لڑائی ہوئی۔ چونکہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ

Marfat.com

بے یار و مددگار تھے۔ اس بلوہ میں شہید ہو گئے۔ حضرت خواجہؒ نے بھی اس بلوہ میں شہادت پائی اور سُنام میں دفن کئے گئے۔ یہ محض ایک قصّہ ہے۔ اس ضمن میں تذکرہ نگاروں کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ صحیح نتیجہ اخذ کرنا محال ہے۔

حضرت خواجہ سیّد محمود بنوریؒ نے اپنے زمانے کے جیّد علماء اور فضلا سے تعلیم و تربیّت پائی۔ ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ اب تک دستیاب نہیں ہو سکا کہ آپ نے ابتدائے تعلیم سے انتہائے علم تک، عالم سے محقق بننے تک اور محقق سے تصوّف تک کے فاصلے کب اور کیسے طے کئے۔ آپ کے استادِ گرامی کا اسمِ مبارک کیا تھا اور کس شہر اور مدرسہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ اس بارے سوانح نگار اور مورخین مکمل طور پر خاموش ہیں۔ کیونکہ پانچویں صدی ہجری کا دَور اس خطّہ کی تاریخ کا تاریک ترین دَور ہے۔ جس میں کسی عظیم یا روحانی شخصیت کے کارناموں کا باقاعدہ اور صحیح ریکارڈ مشکل سے دستیاب ہے خاص کر ان اکابرِ دین کا جو اس صدی ہجری میں شمالی ہند (پنجاب) میں تشریف لائے۔ جبکہ یہاں غیر مسلم اور ملحدوں کا غلبہ تھا۔ ان کے حالاتِ زندگی ان کے علمی کارنامے ان کی روحانی فتوحات اور اس کے گرد و پیش کے واقعات کی تحقیق ایک معمہ بن گئی ہے۔ بہرحال حقائق اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ حضرت خواجہؒ اپنے زمانے کے بڑے صوفی، عظیم مبلّغ اور عارف شب زندہ دار تھے۔

آپ کا نسب نامہ: ۔ حضرت خواجہ سیّد محمود بنوریؒ کا نسب نامہ جو مستند کتابوں میں درج ہے اور مختلف اولیائے کرام کے پاس موجود ہے اور نسلاً بعد نسلاً محفوظ چلا آتا ہے اور صحت کی تصدیق کرتا ہے۔ یوں بیان کرتے ہیں:

"حضرت سیّد خواجہ محمود بنوریؒ بن حضرت سیّد خواجہ قطب الدین بنوریؒ بن سیّد حمید الدینؒ بن سیّد کریم الدینؒ بن سیّد شہاب الدینؒ بن سیّد حبیب الدینؒ بن سیّد احمد ملقب بہ عبداللہؒ بن حضرت امام موسیٰ کاظمؓ بن حضرت امام جعفر صادقؓ بن حضرت امام باقرؒ بن حضرت امام زین العابدینؒ بن حضرت امام حسینؓ بن حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ"۔

جب آپ فارغ التحصیل ہوئے تو آپ نے راہ سلوک میں قدم رکھا۔

Marfat.com

باب-۲

آپ کے بعض مشائخِ طریقت اور پیر و مُرشد

حضرت ابو اسحاق شامیؒ المتوفی ۳۲۹ھ/۹۴۰ء سلسلہ عالیہ چشتیہ کے مبتدا کہلاتے ہیں جب آپ بیعت کے ارادہ سے حضرت خواجہ ممشاد علو دینوریؒ المتوفی ۲۹۸ھ/۹۱۰ء جو اکابرین بغداد سے تھے کی خدمت میں پہنچے اور بیعت سے مشرف و ممتاز ہوئے تو حضرت خواجہ ممشاد علو دینوریؒ نے پوچھا کہ آپ کا کیا نام ہے۔ آپ نے عرض کیا۔ "اس عاجز کو ابو اسحاق شامی کہتے ہیں"۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا "آج سے لوگ آپ کو ابو اسحاق چشتی کہہ کر پکاریں گے جو آپ کے سلسلہ ارادت میں قیامت تک داخل ہوگا وہ بھی چشتی کہلائے گا۔ چشت اور اس کے نواح کے لوگ آپ سے ہدایت پائیں گے"۔ پس آپ اپنے پیر و مرشد کے ارشاد کے مطابق چشت سے جو ہرات سے تیس کوس کے فاصلے پر ہے، تشریف لائے اور لوگوں کی ہدایت و ارشاد میں مشغول ہوئے اور آپ کا سلسلہ عالیہ موسوم بہ چشتی ہوا۔ آپ سلسلہ چشتیہ کے مُوجد کہلاتے ہیں۔ آپ ہی کی ذات سے یہ سلسلہ طریقت منسوب ہے۔

اس مکتب فکر سے مختلف مراکز رونما ہوئے۔ متعدد شاخیں پھوٹیں اور اتنی مہک اٹھی کہ فارس اور ہندوستان ان کی خوشبو سے مہک اُٹھا۔

علاقہ چشت خراسان کے ایک مشہور قصبہ کا نام ہے۔ یہ مقام روحانی اصلاح و تربیت کا ایک اہم مرکز تھا جس کو بہت مقبولیت اور شہرت حاصل تھی، مولانا رحیم بخشؒ خلیفہ و مرید

حضرت مولانا محمد فخر الدین فخر جہاںؒ دہلوی اپنی تصنیف شجرۃ الانوار میں تحریر کرتے ہیں "(ترجمہ) چشت کے نام کے دو مقام ہیں۔ ایک شہر خراسان میں جو ہرات کے قریب واقع ہے۔ دوسرا چشت ہندوستان میں اُچ اور ملتان کے درمیان ایک قصبہ ہے۔ خواجگانِ چشت خراسان والے چشت سے تعلق رکھتے ہیں"۔

حضرت خواجہ ابو اسحاق شامیؒ پہلے بزرگ ہیں۔ جنہوں کے اسم گرامی کے ساتھ تذکروں میں "چشتی" لکھا ہوا ملتا ہے مگر آپ کے تفصیل حالات بہت کمیاب ہیں۔ صرف کرامتوں کے چند قصوں اور سماع کے چند واقعات کی تفصیل مراۃ الاسرار، شجرۃ الانوار اور خزینۃ الاصفیاء میں موجود ہے جو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی پوری شخصیت کو اُجاگر نہیں کرتی۔ آپ ایک زبردست روحانی نظام کے بانی اور فکر و عمل کی صلاحیتوں کے مالک تھے جنہوں نے سلسلہ عالیہ چشتیہ کو بہت فروغ دیا۔

حضرت خواجہ سید محمود بنوئیؒ کا سلسلہ طریقت چند واسطوں سے حضرت ابو اسحاق شامیؒ تک منتہی ہوتا ہے۔ وہ یوں ہے "حضرت خواجہ سید محمود بنوئیؒ مرید حضرت خواجہ حاجی شریف زندانیؒ مرید حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ مرید حضرت ابو یوسف چشتیؒ مرید حضرت خواجہ ابو محمد ابن احمد چشتیؒ مرید حضرت خواجہ ابو احمد ابدال ابن سلطان فرسنافہ چشتیؒ مرید حضرت ابو اسحاق شامی چشتیؒ"۔ [۲]

ابتداء میں برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ اور سہروردیہ کے مشائخ نے اصلاحی و تبلیغی کام انجام دیا۔ بعد ازاں قادریہ اور نقشبندیہ سلسلوں کے مشائخ تشریف لائے۔ تبلیغ اسلام اور تہذیب معاشرہ کے باب میں ان سلاسل کے صوفیاء کی بڑی خدمات ہیں اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس سلسلہ کے سالارِ اعظم حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ہیں مگر آپ کی آمد سے قبل کچھ چشتی بزرگ برصغیر پاک و ہند میں تشریف لا چکے تھے۔ جن میں حضرت خواجہ ابو محمد بن ابو احمد چشتیؒ کا اسم گرامی قابل ذکر ہے۔ آپ سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے۔ [۳]

شاہانِ وقت تو ملک فتح کرتے تھے مگر صوفیاء و مشائخ دلوں پر حکمرانی کرتے تھے بلکہ آج

Marfat.com

بھی کرتے ہیں۔ ان کی زندگی اسلام کے عین مطابق ہوتی تھی۔ قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں ہوتا تھا، یہی سبب تھا جو کام تلوار نہیں کر سکتی تھی، وہ کام صوفیا کے میٹھے بول انجام دیتے تھے۔ وہ دُور دراز علاقوں، غیر معروف دیہات بلکہ جنگل پہاڑ اور ریگستانوں میں بیٹھ جاتے تھے۔ اور اپنے وعظ، درس و تدریس، شیریں گفتار، اخلاق و کردار اور کرامتوں سے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیتے تھے اور نئی نئی بستیاں بسا دیتے تھے۔ ان اکابر مشائخ نے برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی ایسی آبیاری کی کہ وہ دیکھتے دیکھتے ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا۔

حضرت خواجہ شریف زندنیؒ پیر و مرشد حضرت خواجہ سید محمود ہنویؒ۔ علوم ظاہری اور باطنی میں درجہ ممتاز رکھتے تھے۔ آپ کا لقب نیر الدین اور اسم مبارک "شریف" ہے۔ زندان (یا زندان) جس سے زندنی منسوب ہے کے رہنے والے تھے جو بخارا کے توابع سے ہے اور سات پرگنوں میں سے ایک پرگنہ ہے۔ جیسا کہ صفینۃ الاولیاء اور شفاء العلیل میں درج ہے۔ بوجہ فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد آپ کو "حاجی" کہتے ہیں۔ آپ حضرت خواجہ مودود چشتیؒ کے مرید اور خلیفہ اعظم تھے جو اپنے عہد کے جید عالم اور روحانی پیشوا تھے اور سلسلہ چشتیہ کے اکابرین سے تھے زندگی کا بیشتر حصہ سیر و سیاحت میں گزرا۔

حضرت خواجہ حاجی شریف زندنیؒ جامع کمالات ظاہر و باطن منظہر جمال صوری و معنوی، صاحب خوارق و کرامات و کشف صحیح تھے۔ تمام عمر ترویج کتاب و سنت اور رفع بدعت والحاد میں معروف رہے۔ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور علم و حلم میں اپنی نظیر آپ تھے۔ آپ کے حلقہ تربیت سے بڑے بڑے علماء فیض یاب ہو کر نکلے جنہوں نے بلادِ اسلامیہ میں اپنے علمی و روحانی فیوض و برکات سے ایک خلق کثیر کو مستفید کیا۔ آپ نے چالیس سال گوشہ نشینی، تجرد اور صحرا نوردی میں گذرے۔ اکثر اوقات آپ درختوں کے پتے کھاتے اور خلقت کے میل ملاپ سے دُور رہتے۔ جب فاقہ آتا تو نوافل میں مشغول ہو جاتے۔ اکثر روزہ رکھتے اور تین تین دن کے بعد افطار کرتے۔ بیان کرتے ہیں کہ آپ کا جو پس خوردہ کھا لیتا مجذوب ہو جاتا۔ چودہ سال کی عمر سے آخری دم تک آپ کا وضو سوائے قضائے حاجت کے کبھی نہیں ٹوٹتا۔ جب کوئی فقیر آپ کے گھر آتا تو آپ اس کی بہت تعظیم و تکریم کرتے اور باادب ان کے سامنے

Marfat.com

بیٹھ جاتے۔ حاضرین یہ منظر دیکھ کر حیران رہ جاتے۔ آپ کو درویشوں اور فقراء سے بہت محبت اور
پیار تھا۔ ہمیشہ پیوند کے کپڑے پہنتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ظاہر میں درویش ہوں۔ لوگوں سے
محبت کرتا ہوں لیکن ڈرتا ہوں کہ قیامت کے دن درویشوں میں مجھے شرمسار نہ ہونا پڑے
اور یہ نہ کہیں کہ حاجی شریفؒ تو اللہ کا دوست تھا اور اس قسم کی دوستی مذہب عشاق میں اچھی
نہیں۔ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں دعا فرماتے کہ الٰہی مجھے ان فقیروں کی طفیل فقر و فاقہ میں
ثابت قدم رکھ۔ آپ کے پاس جو کوئی بھی آتا کچھ نہ کچھ ضرور کھا کر جاتا اگر کوئی چیز مہیا نہ ہوتی تو سادہ
پانی ہی پلانے کا حکم فرماتے تاکہ وہ دن خالی نہ رہے آپ فرماتے تھے کہ فقر و فاقہ انبیاء و اولیاء
کا طریقہ ہے۔ اگر خوش قسمتی سے وہ رتبہ مجھے عنایت ہو تو میں دل و جان سے کیوں نہ شکر
بجالاؤں۔ آپ حضرت خواجہ سید محمود بنوریؒ کو پیار کرتے شفقت سے پیش آتے۔ اور یہ ہی
تعلیم دیتے۔ حضرت خواجہؒ نے چند ماہ اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں شہر زندان میں قیام کیا
اور طریقہ سلسلہ چشتیہ کی مکمل طور پر تکمیل کی اور حاجی صاحبؒ نے بھی بے اندازہ مہربانیاں
فرمائیں اور قربِ خداوندی میں ترقی کی شہادت دی۔ پھر پیر و مرشد کی اجازت سے واپس
"بنور" آئے اور تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے اور ہزارہا تشنگانِ حقیقت کو جامِ توحید
سے سرشار کیا۔

حضرت شریف زندنیؒ کا وصال

آداب الطالبین کے مطابق تیرہ رجب ۶۱۲ ھ، سفینۃ الاولیاء کے مطابق چھ رجب
۶۱۲ ھ اور مرات الاسرار، شجرۃ الانوار اور اقتباس الانوار کے مطابق تین رجب ۶۱۲ ھ
کو ہوا۔ شجرۂ طریقت میں آپ کی تاریخ وصال دس رجب ۶۱۲ ھ/۱۲۱۵ء لکھی ہوئی ملتی
ہے۔ آپ کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ آپ خواجہ یوسف ہمدانیؒ کے ہم عصر تھے۔ آپ کا مزارِ
مبارک زندنہ میں ہے جو ملک بخارا کا ایک قصبہ ہے۔ سیر الاقطاب تصنیف اللہ دیا چشتی کے
مطابق آپ کا مزار شہر قنوج میں دریا کے کنارے ہے اور قنوج میں بھی یہی مشہور ہے۔ لیکن
آپ کا ہندوستان میں آنا کہیں بھی ثابت نہیں ہوتا۔

ارشاداتِ مقدسہ

۱۔ سماع اعلیٰ نعمت اور سرِ بزرگ ہے۔

۲۔ فقیر اللہ کا دوست ہوتا ہے لہذا فقیر کا دوست اللہ کا دوست ہے۔
۳۔ خرقہ وہ پہنتا ہے جس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے سوا کسی کی محبت نہ ہو۔
۴۔ جب اہلِ سماع، سماع سنتے ہیں۔ ان کا دل حسد، کینہ اور دیگر آلائشوں سے بالکل صاف ہوتا ہے۔

باب ۳

زیارت حرمین شریفین

حضرت خواجہ محمود بنوئیؒ اپنے پیر و مرشد کی اجازت سے واپس اپنے گاوں "بنو" تشریف لائے۔ دس سال تک اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں رہے۔ اپنے علمی و روحانی فیوض و برکات سے ایک خلق کثیر کو مستفیض کیا۔ آپ ہدایتِ خلق، تبلیغ اسلام اور درس و تدریس کے سلسلے میں خود مختلف مقامات پر تشریف لے جاتے اور لوگوں کو احکاماتِ الٰہی اور پیغاماتِ رسولِ مقبولؐ سے آگاہ کرتے اور ان پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتے۔ قرآن و حدیث کے مطابق مخلوق خدا کی رہنمائی فرماتے۔ اشاعتِ دین اسلام آپ کی زندگی کا واحد نصب العین تھا۔ دین کی حمایت میں زندگی کے ہر شعبہ میں کفر و ضلالت کے مقابلہ میں برسرِ پیکار رہے۔

زاں بعد آپ نے حرمین شریف جانے کا ارادہ کیا۔ آپ کی والدہ نے بہ کمال ارادت آپکو

Marfat.com

اجازت دی۔ آپ نے اپنے پیر و مُرشد کے عنایت کردہ تبرکات ہمراہ لئے اور عازمِ سفر ہوئے۔

مکہ معظمہ پہنچے۔ فریضہ حج ادا کیا۔ وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ زیارت روضہ نبوی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے مشرف ہوئے آپ کے دل کو ایک گونہ اطمینان و سکون حاصل ہوا۔

بارہ برس آپ نے مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور ہر سال مدینہ منورہ سے مکّہ معظّمہ حج کے لئے جاتے اور حج کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لے آتے۔ شب بیداری، نوافل، مسلسل روزہ، تلاوت قرآن شریف اور مجاہدات کے اشغال کی بکثرت روایات دستیاب ہیں۔ اگر ذوقِ تلاوت کا غلبہ ہوتا تو پوری پوری رات پڑھنے میں گذار دیتے۔ یادِ الٰہی کے لئے کبھی مسجدِ نبوی کبھی بستی مدینہ اور کبھی ویرانوں میں بے تاب نظر آتے۔ بارہ برس کے قیام کے دوران آپ نے کئی ہزار مرتبہ ختم قرآنِ پاک کیا۔ اور "حافظان حافظ ولی اللہ" کا خطاب پایا اور اسی نام سے مشہور زمانہ ہو گئے۔ آپ اکثر روزہ سے رہتے تھے۔ شام کے وقت پانی اور چند کھجوروں سے روزہ افطار کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے جلد ہی آپ کو مقبول خاص و عام کر دیا۔

روایت بیان کرتے ہیں کہ زمانہ قدیم میں قصبہ سُنام میں ہندوؤں کا ایک معبد تھا۔ اس کا پیشوا ایک ہندو راجہ تھا۔ موجودہ علاقہ جالندھر اور اس کے گرد و نواح کا سارا علاقہ اسکی حاکمیت میں تھا۔ بڑا جابر تھا۔ شروع شروع میں جو چند مسلمان یہاں آباد تھے۔ وہ اس سے بہت تنگ اور پریشان تھے۔ گو ان کی تعداد بہت کم تھی مگر ان کے دل نورِ ایمان سے منوّر تھے اور اسلامی جذبات ان میں نمایاں تھے۔ عزّت و ناموس کی خاطر قربان ہونے کو ہر گھڑی تیار رہتے تھے۔ ہمیشہ حق و صداقت کی آواز کو بلند کرتے۔ ظلم و ستم اور جبر و تشدّد کی چکّی میں پستے ہوئے انسانوں کی مدد کرتے۔ ظالم کا ہاتھ روکتے۔ ان بندگانِ خدا کا حکمران راجہ سے کسی بات پر تنازعہ ہو گیا جس نے بلوہ کی صورت اختیار کر لی۔ راجہ نے اپنی منتشر جمعیت اکٹھی کر کے مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ مسلمان جو بے یار و مددگار تھے۔ اس بلوے میں شہید ہو گئے۔ اور خطّہ سُنام میں دفن کئے گئے۔ قتل و غارت اور شہادت کی وجہ سے مقامی باشندوں نے اس مقام کو "گنج شہیداں" کے نام سے پکارا۔ یہ مقام آجکل موجودہ سُنام کے سول ہسپتال کے جنوب مغربی گوشہ میں واقع ہے اور "گنجِ شہیداں" کے نام سے موسوم ہے۔

مذکورہ بالا روایت کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت اپنے اندر ایک حقیقت

Marfat.com

رکھتی ہے۔ یہ علاقہ ویدک، رامائن اور مہابھارت کے زمانہ میں اور اسلامی عہد میں ہمیشہ میدانِ کارزار رہا۔ قبل از اسلام اس مقام پر بہت سی جنگیں ہوئیں۔ ظہورِ اسلام کے بعد بھی یہ مقام کئی بار آباد و ویران ہوا۔ برسوں تک یہ جگہ ویران رہی۔

بیان کرتے ہیں کہ زمانہ مہابھارت میں یہاں شدید بارش ہوئی جس کے سبب دریائے راوی اور ستلج میں طوفانِ عظیم برپا ہوا۔ ان دریاؤں کا پاٹ ایک ہو گیا۔ اس سیلاب اور طوفان نے شمالی ہند (پنجاب) کے تمام علاقوں کو اپنی زد میں لے لیا اور وسطی خطہ (دوآبہ) کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا جس میں عرصہ دراز تک کسی انس و جان کا نام و نشان نہ تھا۔ اور یہ خطہ مدت مدید تک بالکل بیابان کی صورت میں پڑا رہا۔ اس خوفناک طوفان کے کئی سو سال بعد تک یہ جگہ ویرانہ جنگل کی صورت میں رہی۔ پھر آہستہ آہستہ خونخوار درندوں اور وحشی جانوروں کا مسکن بن گئی۔ پھر یہ سارا علاقہ "کوروبن" (یعنی کوروکا جنگل) کے نام سے پکارا جانے لگا۔ دریائے ستلج کو پرانے زمانے میں شیوجی شیوجرا ورسدر بھی کہا جاتا تھا اور دریائے راوی کا قدیم ترین نام پارشنی اور دریائے ایراوتی بھی کہتے تھے۔ محققین کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ یہ سرسبز و شاداب خطہ تاریخی قدامت اور اہمیت کا حامل ہے جو کئی بار اجڑا اور پھر سے آباد ہوا۔

بعدازیں کوروکے خاندان کی نسبت سے چند حکمرانوں نے اپنے نام پر چند چھوٹی چھوٹی بستیاں بسائیں اور ان کو آباد کیا ان میں ایک بستی "سورج پور" کے نام سے بھی معرضِ وجود میں آئی مگر تاریخ کے اوراق اس مقام کی انسانی تہذیب و تمدن، ادبی و ثقافتی تاریخ اور گذشتہ واقعات کی تفصیل بیان نہیں کرتے جس سے سن اور عہد کا تعین ہو سکے۔ اب یہ امر ایک معمہ قابل تحقیق و حل ہے۔

اسلامی دور میں شہاب الدین غوری نے اس مقام کو رونق دی اور غیاث الدین بلبن کے عہد میں وسعت پائی۔ بادشاہوں نے اس مقام کو زندہ رکھنے اور پُررونق بنانے کی خاطر ایک اسلامی درسگاہ کی بنیاد رکھی اور درس و تدریس کے لئے دیگر اسلامی ملکوں سے جید علماء اور فضلاء بلوائے گئے۔ عربی اور فارسی زبان کو فروغ ہوا۔ اور ترقی کی منازل طے کرنے لگے۔

علاوہ ازیں اس مقام کو فوجی اہمیت بھی حاصل تھی۔ غیاث الدین بلبن فنونِ حرب کا ماہر تھا۔ اُس نے دفاع کو مضبوط تر بنانے کے لئے تین دفاعی لائنیں قائم کیں، اور ہر لائن میں قلعوں، چھاؤنیوں

Marfat.com

اور فوجی مورچوں کا اہتمام کیا تاکہ سرحدی علاقوں سے پایۂ تخت دہلی تک آنے میں دشمن کو تین مقام پر سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے۔ پہلی لائن اُچ اور ملتان پر تھی، دوسری دیپالپور اور پاک پتن پر اور تیسری سامانہ، سُنام اور ہانسی کے مقامات پر، ہر دفاعی لائن کے قلعوں اور چھاؤنیوں میں سامانِ حرب اور خوراک کے ذخائر موجود تھے۔ سُنام میں ایک مضبوط قلعہ تھا جو چھاؤنی کے طور استعمال ہوتا رہا۔ اس قلعہ کے اندر سوار اور پیادہ فوج رہتی تھی۔ اُن کی تعداد کے بارے تاریخ کے اوراق بالکل خاموش ہیں۔ بہرحال یہ علاقے لاہور اور دہلی کے درمیان ایک مرکزی حیثیت کا ثبوت دیتے تھے۔

زمانہ گزرتا گیا۔ حالات بدلتے گئے۔ ان بے نوا اور غریب الوطن مسلمانوں کی قتل و غارت کی خبر گھومتی ہوئی اسلامی ممالک تک پہنچی۔ حضرت خواجہ سید محمود بنوریؒ ابھی مدینہ منورہ میں ہی تشریف رکھتے تھے کہ آپ نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی داستان سُنی اور تڑپ اٹھے۔ دن اور راتیں سوز و درد میں گزریں۔ جہاد بالنفس کے ساتھ جہاد بالسیف کے لئے تیار ہو گئے۔

باب۔۴

آپ کا سفرِ ہندوستان اور سُنام میں قیام

حضرت خواجہ سید محمود بنوریؒ نے ایک تبلیغی جماعت تیار کی اور مبلغین کو اپنے حلقہ میں رکھ کر ان کی پوری طرح تربیت کی۔ پھر اشاعت اسلام کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے ہندوستان کے سفر کا ارادہ کیا۔ کیونکہ سلاطین غزنویہ کی فتوحات کے باعث شمالی ہند (پنجاب) میں اشاعت دین اسلام کی راہ بہت آسان ہو چکی تھی۔ پہلے آپ بغداد کی جانب تشریف لے گئے۔ شہر میں داخل ہوئے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں پہنچے۔

Marfat.com

حضرت خواجہ سید محمود بنوئیؒ چند ماہ حضرت غوث الاعظمؒ کی خدمت میں رہے آپکی خانقاہ بہت بڑی تربیت گاہ تھی۔ فقراء اور صوفیاء کی جماعتیں کی جماعتیں زیر تربیت رہتی تھی، بہت سے اولیاء اور مشائخ اپنے اپنے علاقوں سے گاہے بگاہے حاضر خدمت ہوتے رہتے تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ اسی خانقاہ میں زریران، نہروان، بادزان، موصل، عراق، عرب، عراق عجم اور سرزمین شام تک کے لوگ شامل نظر آتے تھے جو علمی اور روحانی تربیت حاصل کرتے تھے دینی و روحانی اور اصلاحی تربیت حاصل کرنیکے بعد ارشاد و تلقین کا ایسا ہنگامہ برپا کرتے کہ ان کا ملک ان کی شعلہ نفسی سے گرم ہو جاتا اور ہزاروں انسان نے ہدایت پائی۔

حضرت غوث الاعظمؒ نے اپنی زندگی کے ابتدائی سترہ سال وطن میں گزارے پھر نو سال تک بغداد میں رہ کر علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی۔ پچیس سال عراق کے جنگلوں میں ریاضات و مجاہدات کے ذریعے منازل سلوک طے کئے۔ چالیس سال تک وعظ، تبلیغ، تدریس و تعلیم ارشاد و ہدایت، اعلائے کلمۃ الحق اور اصلاح خلق میں صرف کئے۔ ہزاروں بندگان خدا کو شمع ہدایت سے روشن کیا۔ بالآخر اکانوے برس کی عمر میں یہ آفتاب غوثیت غروب ہوگیا۔ ۱۱ ربیع الثانی ۵۶۱ھ/۱۱۶۵ء میں وفات پائی۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حضرت خواجہ سید محمود بنوئیؒ کی ملاقات حضرت غوث الاعظمؒ سے مدرسہ نظامیہ بغداد میں ہوئی ہوگی۔ جہاں آپ تعلیم حاصل کر رہے ہوں گے۔ کیونکہ حضرت غوث الاعظمؒ نے مدرسہ ابو سعید المخرمی میں درس و تدریس کا کام ۵۲۸ھ/۱۱۳۳ء میں شروع کیا تھا اور حضرت خواجہ سید محمود بنوئیؒ اس زمانے سے بہت پہلے قریباً تیرہ (۱۳) سال قبل ۵۱۵ھ/۱۱۲۱ء میں ہندوستان میں فوت ہو چکے تھے۔

حضرت غوث الاعظمؒ سے رخصت پاکر آپ اپنے تبلیغی مشن پر جانب ہندوستان متوجہ ہوئے۔ ہندوستان جانے سے قبل آپ اپنے وطن "بنو" تشریف لے گئے۔ والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کی والدہ اپنے فرزند ارجمند کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور فرمایا "بیٹا! تم چند روز یہاں قیام کرو میں آپ کی شادی خانہ آبادی کرنا چاہتی

Marfat.com

ہوں۔" حضرت خواجہؒ اپنی والدہ ماجدہ کی اس خواہش پر رضامند ہوگئے۔ آخر آپ کی شادی شعار نبوی صلعم کے مطابق بلسقیہ نامی خاتون جو متقیہ اور عابدہ تھی سے انجام پائی۔ کچھ عرصہ آپ نے اپنے وطن میں قیام کیا پھر اپنی والدہ ماجدہ اور دیگر اقربا سے رخصت حاصل کی اور ہندوستان کی جانب جہاں کفر اور الحاد کا غلبہ تھا، کا سفر اختیار کیا۔ آپ کے چھوٹے بھائی بھی شریکِ سفر ہوئے۔ یہ مختصر سا قافلہ وسطِ ایشیا کے علاقوں سے گذرتا ہوا چند سالوں کی مسافت کے بعد ہندوستان کے سرحدی علاقوں میں داخل ہوا۔

دورانِ سفر آپ کا ایک دُور افتادہ۔ بے رونق اور غیر آباد علاقہ سے گزر ہوا۔ اس علاقے کے لوگ کج طبع، بدمزاج اور بداعتقاد تھے۔ گناہوں سے آلودہ تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ ان کی شکلیں بھی بگڑی ہوئی نظر آتی تھیں۔ آپ کی خدمت میں آئے اور اپنی بدکرداری کا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے خداوند تعالےٰ کے حضور میں دعا کی۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور یہ ناہنجار قوم مشرف بہ اسلام ہوئی اور حلقہ ارادت میں شامل ہوئی۔[۳] غرض کہ آپ جس مقام سے گزرتے وہاں کے مقیم آپ کے زہد و تقویٰ علم و فضل، شیریں گفتار اور روحانی گہرائیوں سے اس قدر متاثر ہوتے کہ مذہب اسلام قبول کر لیتے۔[۴]

بیان کرتے ہیں کہ جس جنگل یا ویرانہ سے آپ کا گزر ہوتا تو اس مقام کے جنگلی اور صحرائی درندے، پرندے اور چوپائے سب آپ کے گرد جمع ہو جاتے اور ایک دوسرے کو گزند نہ پہنچاتے بلکہ آپ کی شفقت۔ مہر و محبت اور نعمتوں سے مالا مال ہوتے۔ آپ صاحب ولایت ہونے کے علاوہ تصوف میں ایک عالی مقام بھی رکھتے تھے۔ آپ کے احوال اور مقامات کی رفعتیں، سیر و سلوک، روحانی پرواز اور بلندی معرض بیان میں نہیں لائی جا سکتی۔ آپ اسلام کے بے لوث اور مخلص مبلغ تھے۔ جن کو ہم صوفی اور ولی اللہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ذرا خیال فرمائیں کہ بخارا کے سادات عظام کا ایک اجنبی فرد کا اجنبی سرزمین پر مخالفین کے نرغے میں تبلیغ کرنا جو ہم زبان اور ہم مشرب بھی نہ تھے۔ کتنا مشکل اور صبر آزما کام تھا۔ مگر آپ نے یہ کام نہایت حوصلہ مندی جرأت اور کامیابی سے انجام دیا۔

آخر حضرت خواجہ سید محمود بنوریؒ چند برسوں کا صبر آزما اور دشوار راستہ طے کرتے ہوئے

Marfat.com

علاقہ سُنام میں داخل ہوئے۔ آپ نے سُنام سے کچھ دور ایک ویران مقام پر قیام کیا۔ اسکا سبب یہ تھا کہ آپ عبادت و ریاضت کے لئے یکسوئی کے متلاشی تھے اور سکونِ قلب اور استغراق کے لئے گوشہ نشینی پسند تھی۔ شہروں کی زندگی کے ہنگاموں سے دُور رہنا چاہتے تھے۔ ویرانہ اور جنگل آپ کو پسند تھا۔

مصادر اور ماخذ کی کمی کے باعث آپ کے ابتدائی دُورِ سفر، علمی، تبلیغی، صوفیانہ سرگرمیوں اور تصنیفات کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ معلومات حاصل نہیں ہوسکیں۔ چند باتیں جو مقدمین علماء، فضلاء اور صلحاء سے آپ کے بارے دستیاب ہوئیں صرف ان ہی پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

باب ۵

سُنام۔ تعارف

سُنام جس قدر قدیم ہونے کا دعویٰ کرے بجا ہے۔ اس بستی کے موجودہ آثاروں میں مزاراتِ اولیاء کی تعداد زیادہ ہے۔ یہ آثار اسلامی ثقافت اور تاریخ کے آئینہ دار ہیں۔ زمانہ ماضی کی امانت ہیں اور قدیم تہذیب و تمدن کا عکس پیش کرتے ہیں۔ آثاروں اور مزارات کی موجودگی کی بنا پر یہ مقام قابلِ ذکر ہے اور قابلِ دید بھی۔ اس سرزمین کے کھنڈرات، مقدّس مزارات، مسمار قلعے، منہدم فصیلیں، ٹوٹی پھوٹی قبریں، ننگی گلی، کوچہ کوچہ میں شہیدوں کے مزارات اور پرانے قبے اپنی گذشتہ عظمت اور پے در پے انقلابات کا بھی پتہ دیتے ہیں۔ یہ مقام دینی۔ علمی اور روحانی حلقوں میں بہت مشہور و معروف ہے اور پرانی عمارات، مکانات، دوکانات، مساجد، تالاب، مندروں، درسگاہوں سراؤں، کنوؤں، تجارتی منڈی اور کشادہ سڑکوں سے مزیّن تھا۔ مگر اب یہ بستی بہت کم

رقبہ میں آباد ہے۔ زیادہ رقبہ ویران اور پرانے کھنڈرات سے پُر ہے۔ یہ بستی ایک کھنڈر کے بعد دوسرے کھنڈروں پر تعمیر ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اور اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ کتنے حکمرانوں کے قلعے، محلّات اور مکانات اس مقام پر تعمیر و برباد ہوئے۔

۱- جائے وقوع

امپریل گزیٹیر آف انڈیا مطبوعہ ۱۹۰۸ء ایک سرکاری اور قابلِ اعتماد دستاویز شمار کی جاتی ہے۔ اس میں درج ہے کہ تحصیل سُنام کرم گڈھ نظامت اور پٹیالہ ریاست میں ۱۲ء۲۹ ڈگری (۲۹° ۱۲′) اور ۱۴ء۳۰ ڈگری (۳۰° ۱۴′) جانبِ شمال اور ۴۰ء۷۵ ڈگری (۷۵° ۴۰′) اور ۱۲ء۷۶ ڈگری (۷۶° ۱۲′) جانب مشرق رقبہ ۴۸۶ مربع میل واقع ہے۔ سن ۱۸۹۱ء میں اس استان کی آبادی ۱۲۲۴۸۴ نفر تھی۔ پھر سن ۱۹۰۱ء میں ۱۲۱۴۹۸ نفر رہ گئی۔ قصبہ سُنام اس تحصیل کا صدر مقام ہے جس کی آبادی سن ۱۹۰۱ء میں ۶۹۱۲ نفر تھی۔ یہ تحصیل ۱۲۲ دیہات پر مشتمل تھی جس کا لگان سن ۱۹۰۳ء-۱۹۰۴ء میں اڑھائی لاکھ روپیہ حاصل ہوتا تھا۔ قصبہ سُنام جو تحصیل کا صدر مقام ہے۔ کرم گڈھ نظامت اور پٹیالہ ریاست میں ۳۰ء۸ ڈگری (۳۰° ۸′) شمال، ۱۵ء۵ ڈگری (۱۵° ۵′) مشرق پر واقع ہے یہ قصبہ پٹیالہ سے ۴۳ میل جنوب مغرب میں آباد ہے اور ایک پکی پختہ سڑک سے ملا ہوا ہے۔ یہ قصبہ کاروباری اور تجارتی لحاظ سے اتنا معروف نہیں لیکن روئی کی چادریں (کھیس اور چوتہی) اعلیٰ قسم کی تیار ہوتی ہیں اگرچہ اب اس قصبہ کو کوئی اہمیت نہیں رہی لیکن اس نے پنجاب کی تاریخ میں اسلامی دور میں نمایاں حصّہ لیا ہے۔ البیرونی اسلامی دور سے قبل اپنے زمانہ کا ایک معروف شہر بیان کرتا ہے۔ پرانی آبادی "سورج پور" کہلاتی ہے جو "سورج کنڈ" POOL OF THE SUN کے قریب آباد تھی جس کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں اور سلطان فیروز شاہ نے اس قصبہ میں ایک نہر جاری کروائی اور سن ۸۰۱ھ/۱۳۹۸ء میں امیر تیمور نے اس مقام پر حملہ کیا اور اکبر بادشاہ کے عہدِ حکومت میں یہ سرہند کا ایک پرگنہ بن گیا۔ اس کے بعد

پھر اسے پُرانی تاریخی اہمیت حاصل نہ ہو سکی۔

جغرافیہ ریاست پٹیالہ تصنیف سردار پرتاپ سنگھ (سن ۱۸۸۱ء) میں تفصیل کے ساتھ یوں مرقوم ہے۔ "تحصیل سُنام۔ اس تحصیل کا رقبہ ½ ۲۹۴ میل مربع یعنی ۳۰۳ ۲۴۰ ۵۰ بیگھے پختہ اور سالانہ آمدنی دولاکھ اٹھ ہزار پانچ سو چھتیس (۲،۰۸،۵۳۶) روپیہ جس میں تینتیس ہزار پانچسو بانوے (۳۳،۵۹۲) روپیہ آمدنی متفرقات اور باقی محاصل اراضیات سے ہے۔ بعد وضع انعام نمبرداران وغیرہ دولاکھ چھپن ہزار ایک سو ترانوے (۲،۵۶،۱۹۳) روپے ریاست کو حاصل ہوتا۔ اس تحصیل کے ۱۲۱ دیہات اور قصبات ہیں ۹۰۷،۱۸۹، آدمی آباد ہیں۔" مزید تحریر کرتے ہیں "سنام۔ بھوانی گڑھ سے ۱۰ میل جنوب مغرب کی طرف اور ریاست گاہ سے ½ ۳۰ میل کی دُوری پر پرانا قصبہ ہے۔ ایک تاریخ کی رو سے جس میں محمود بنوئی صاحب کے حالات درج ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً نوسو سال سے یہ شہر آباد ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلے یہ شہر سورج کنڈ کے پاس جو سُنام سے کوس بھر کے فاصلے پر ہی آباد تھا مگر اب دو سو برس (۲۰۰) سے اس زمین پر آباد ہے۔ اس کے گرداگرد چوآ (نالہ) بہتا ہے جب کبھی یہ چوآ طغیانی پر آتا ہے تو کھیتوں کو بہت نقصان پہنچاتا ہے مگر قصبہ سُنام کو بلندی پر آباد ہونے کے سبب کچھ آسیب نہیں پہنچتا۔ اس شہر کی کل عمارات پختہ ہیں اور بعض بہت پرانی ہیں۔ یہاں اکثر بزرگان اہل اسلام کے مزار ہیں جن میں خواجہ گوہر قاضی معزالدین گنج شہیداں مقبولی شاہ معروف ہیں۔ خواجہ محمود بنوئی صاحب کا مزار شہر سے مشرق کی جانب، بدین سبب کہ اس جگہ ہر سال ماہ چیت میں میلہ ہوتا ہے۔ جس میں دُور دُور کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔۔ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ معابد ہنود سے بھائی مول چند صاحب کا ڈیرہ، سورج کنڈ، سیتاسر اور گنگا کے تالاب بہت مشہور ہیں۔ سُورج کنڈ جو شہر سے تقریباً ½ ۱ میل کے فاصلے پر ہے بہت پرانا تیرتھ ہے۔ سیتاسر اس ضلع کے لوگ اس تالاب کو "پہویہ" کے برابر ایک مشہور تیرتھ مانتے ہیں۔ "پہویہ کریتھل" ریاست کے قریب پندرہ میل دریائے سرستی کے کنارے واقع بیان کیا جاتا ہے۔"

سُنام (ریاست پٹیالہ کی تحصیل) میں ۲۲۲،۲ انفر آباد ہیں۔ تھانہ اور تحصیل بھی صدر مقام ہے۔

سرکار کی طرف سے ایک مدرسہ اور شفا خانہ اس جگہ قائم ہے۔ پگڑی، چوتھی اور کھیس یہاں عمدہ بنتے ہیں اور دساور کو بھیجے جاتے ہیں۔ جانب جنوب شہر کے ایک پختہ چھوٹی اینٹوں کا قلعہ بنا ہوا ہے۔

علاوہ ازیں پنڈت گنیش لال اپنی تصنیف جغرافیہ ریاست پٹیالہ[۵] میں یوں رقم طراز ہیں۔ "سُنام ایک پُرانا قصبہ سطح زمین سے بلندی پر آباد ہے زبان ترکی میں سُنام اونٹ کی کوہان کو کہتے ہیں۔ جب علاؤالدین غوری کا گزر اس جگہ پر ہوا اور اس زمین کو پست و بلند اونٹ کے کوہان کی مانند پایا تو اسے سُنام کا نام دیا۔"

اس بارے پنڈت جی کی تحقیق کمزور ہے کیونکہ سلطان علاءالدین غوری سے قبل غزنویوں کے عہدِ حکومت میں سُنام کا وجود تھا، البیرونی اپنی شہرہ آفاق تصنیف "کتاب الہند" میں جن شہروں کا ذکر کرتا ہے ان میں ایک سُنام بھی بیان کرتا ہے۔ ہند کی تاریخوں کے مطالعہ سے ایک حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ سُنام سے پہلے یہ علاقہ "سورج پور" کے نام سے بھی مشہور تھا۔ چوآ یعنی تیرہ وادی ندی جس کو ہنسلا ندی بھی کہتے ہیں سیراب کرتی تھی۔ اس قصبہ کی عمارات پختہ تھیں اور سڑکیں کشادہ تھیں۔ اب تقسیم ہندوستان کے بعد اور ریاست پٹیالہ کے ختم ہو جانے پر یہ سارا علاقہ مشرقی پنجاب (بھارت) کا ایک حصہ بن گیا ہے اور اسے دوبارہ کاروباری شہر کی حیثیت حاصل ہو رہی ہے۔ ترقی یافتہ علاقوں میں بھی اسکا شمار ہو رہا ہے۔

مذکورہ بالا اقتباسات کے بعد ہم اس حقیقت کو پہنچ جاتے ہیں کہ سُنام ایک بہت پُرانا شہر ہے۔ جس کی تاریخ کے درخشاں ابواب اس کی ملّی اور مذہبی تاریخ سے عبارت ہیں اور مزار حضرت خواجہ سیّد محمود بنوئیؒ تقریباً نوسو (۹۰۰) برس سے موجود ہے۔ اسے عہد غزنوی کی دیگر نشانیوں[۶] میں ایک اور اہم نشانی کا اضافہ شہر سُنام میں سمجھنا چاہئے مگر اس بارے تذکرہ نگار اور مورخین مکمل طور پر خاموش ہیں اور کوئی نشاندہی نہیں کرتے۔

۲۔ سُنام کے نام کی وجہ تسمیہ

سُنام کے نام کے متعلق مختلف روایات دستیاب ہیں۔ پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کا ایک اسکالر

سردار فوجا سنگھ اپنی تحریر "پٹیالہ اور اس کا تاریخی قرب وجوار" میں قصبہ سُنام کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔[1]

SUNAM-A CONTRACTION OF "SHUBHNAM" WHICH IN SANSKRIT MEAN "GOOD NAME"

سُنام سنسکرت "شبد" (آواز) ہے جس کے معنی اچھا نام (سُندر نام) اور لغات[2] میں سُنام کا مفہوم زمین کا درمیان یا مرکز بیان کرتے ہیں۔ ترکی زبان میں سُنام کو اونٹ کا کوہان بیان کرتے ہیں سُنام کے لوگ ایک قلعہ میں آباد تھے جسے بیرونی حملہ آوروں نے کئی بار تباہ و برباد کیا اور اُس کی عمارات کھنڈروں میں تبدیل ہوئیں۔ کھنڈرات پھر سے آباد ہوئے۔ ان پر نئے نئے قلعے اور نئی نئی عمارات تعمیر ہوئیں۔ قلعہ، برج اور عمارات کے گرنے اور مٹی ملبہ میں دب جانے سے زمین کی سطح ناہموار ہو گئی اور یہ بلند و پست مقام اونٹ کے کوہان کی مانند نمودار ہو جانے سے اس بستی کو "سُنام" کا نام دیا گیا۔

البیرونی اپنی ممتاز تصنیف "کتاب الہند" میں جن شہروں کا ذکر کرتا ہے ان میں ایک خوبصورت شہر سُنام کا بھی ذکر آتا ہے جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ غزنویوں کے عہدِ حکومت میں اس کا وجود تھا اور نمائندہ حکومت کے قیام کے سبب اشاعتِ اسلام نے نشوونما پائی اور شمالی ہند (پنجاب) سلطنتِ غزنی کا ایک حصہ بن گیا۔ جس نے دارالحکومت کے ماحول سے متاثر ہو کر تمام اسلام کے علوم مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف میں ترقی کی اور اس کی روشنی سے علاقہ سامانہ اور سُنام کے باسی بھی منور ہوئے۔

روایت بیان کرتے ہیں کرشن جی مہاراج کی نسل سے ایک راجہ سومن پال تھا۔ اس نے اس مقام کو آباد کیا۔ جسے تقریباً گیارہ سو سال گزر چکے ہیں۔ اس مقام کا نام اپنے نام سومن پر رکھا گیا جو بگڑ کر "سونام" بن گیا پھر "سُنام"۔ اس کے علاوہ عرصہ قدیم سے ایک اور روایت چلی آرہی ہے جسے اس بستی کے باسی فخر سے بیان کرتے ہیں کہ سُنام میں "سونا" نام کی کوئی گوجری[3] رہتی تھی جس نے اپنی خدمات کے بدلے شہاب الدین غوری سے اس بات کی اجازت لے لی تھی کہ وہ اپنی بستی کی آبادی کو قلعہ کے اندر آباد کرے اور بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رکھے۔ پھر اس بستی کا نام "سونام" یا "سُنام" پڑ گیا۔ مگر مستند تاریخ کے اوراق سومن پال اور

Marfat.com

سوناگوجری کے نام سے ناآشنا ہیں یہ محض لوگوں کا قیاس اور من گھڑت کہانی ہے۔
مولوی محمد صالح کنجاہی نے سلسلۃ الاولیاء میں اس لفظ کو یوں بیان کیا ہے:۔

"سنام بضم سین مہملہ و تشدید نون قصبہ ایست از توابع سہرند"

اس کے علاوہ شہاب الدین غوری اور سلطان بلبن کے عہدِ حکومت میں یہ لفظ "سُنام" ہی لکھا اور پڑھا گیا ہے۔ امیر تیمور کے حملہ ہند کے بعد اور مسلم انڈیا کے دوران کُتب تاریخ میں "شام" لکھا ہوا پایا گیا ہے۔ مغلیہ دور میں یہ علاقہ سہرند کا پرگنہ تھا اور "سُنام" کے نام سے درج ہے۔

مشرقی پنجاب (بھارت) کی سرکاری دستاویزات اور اہل علم و ادب کی اکثر تحریروں میں "سُنام" کی بجائے "سنام" ہی لکھا ہوا ملتا ہے۔ موجودہ دور سے قبل مہاراج آلا سنگھ جو ریاست پٹیالہ کا بانی کہلاتا ہے، کے اہل کاروں نے بھی ریاست کے سرکاری کاغذات میں اس بستی کا نام "سنام" ہی لکھا ہے مگر آج سے تقریباً عرصہ نوسو سال قبل یہ بستی "سُنام" کے خوبصورت نام سے پکاری جاتی تھی۔ اور قدیم کُتب میں لفظ "سُنام" ہی لکھا ہوا پایا گیا ہے

راقم کے خیال میں "سُنام" ایک خوبصورت اور دلآویز نام ہے جو قیمتی اور چمکتی ہوئی پیاری دھات "سونا" سے مشترک اور ساجھے ہے۔ جسے اس بستی کے بسانے والے نے پسند کیا اور پکارا اس نام سے اس مقام کی اہمیت اور بانی کی عقل و فراست کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ بہرحال ہم کہہ سکتے ہیں اور یہ بات ثابت بھی ہو چکی ہے کہ "سُنام"، شمالی ہند (پنجاب) کا ایک قدیم تاریخی مقام ہے۔ جس کی موجودگی غزنویوں کی فتوحات کے ساتھ ساتھ "سُنام" کے نام سے اُبھری اور اُجاگر ہوئی۔

(۳) سُنام کی تاریخ

رگ وید، زمانہ ویدک کی ایک قدیم کتاب ہے جس کی تالیف کو دو ہزار برس قبل از مسیح سے لے کر دس ہزار سال قبل از مسیح تک مورخین تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ہندوؤں کی مذہبی کتاب

جناح روڈ گجرات

Marfat.com

ہے جو مختلف انواع کے منتروں سے بھری ہوئی ہے۔
بیان کرتے ہیں کہ رگ وید کا بیشتر حصہ ندی سرسوتی (سرستی) کے کنارے رشیوں پر اترا تھا۔ ندی سرسوتی (سرستی) زمانہ ویدک میں سُنام کے پاس بہتی تھی اور اس علاقہ کو سیراب کرتی تھی۔ یہ وہی مقام ہے جہاں پر رگ وید کی تکمیل ہوئی۔ زمانہ ویدک میں اس بستی کا نام جسے اب ہم سُنام کے نام سے پکارتے ہیں سُنام نہیں تھا لیکن جگہ اس آبادی کی وہ ہی ہے۔ جہاں موجودہ سُنام آباد ہے۔ سُنام کا پرانا نام "سورج پور" بیان کرتے ہیں جو "سورج کُنڈ" کے پاس آباد تھا اور مغربی تاریخوں میں "POOL OF THE SUN" کے نام سے متعارف ہو چکا ہے لیکن اس سے پہلے اس بستی کا نام "سرپور" بھی لکھا ہوا ملتا ہے۔

بہر حال یہ ایک قدیم شہر ہے۔ یہاں کے باسی ہمیشہ اپنے ویدک دھرم کو مانتے تھے۔ اور بدھ مت کے پرچار سے متاثر نہیں ہوئے۔ کتب تاریخ کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ معروف چینی سیاح "فاہیان" اور "ہیون سانگ" نے اپنے سفرناموں میں اس جگہ کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ان کی نگاہوں میں ہر وہ علاقہ اہمیت سے خالی ہوتا جہاں بدھ مت کی کوئی بات قابل بیان نہ ہوتی۔ البتہ جالندھر جو کہ بہت پرانا شہر ہے۔ "ہیون سانگ" اس کا ذکر اپنے سفرنامے میں کرتا ہے۔ راجا کنشک کے عہد حکومت ۱۰۰ء میں اس مقام پر بدھ مت کے علماء کی ایک تاریخی کانفرنس منعقد ہوئی اور بدھ مت کے اصول و قواعد مرتب ہوئے اور بدھ کی تعلیمات کو عام کیا گیا اور ان کی تعلیمات کو پالی اور میگا زبان سے پہلی بار سنسکرت زبان میں ترجمہ کیا گیا۔

زمانہ رامائن میں بھی سُنام کی موجودگی کے نشانات ملتے ہیں۔ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں سے یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ سُنام کے شمال مغربی حصہ میں ایک بہت بڑا تالاب "سیتا سر" کے نام سے مشہور ہے جو ایک مشہور تیرتھ تھا اور آج بھی ہندوؤں کا مقدس مقام ہے۔ ہندو مورخین اس بارے بیان کرتے ہیں کہ جب کسی دھوبی کے کہنے پر رام چندر جی نے سیتا جی کو بن باس دے دیا تو وہ مہرشی والمیک کی کُٹیا میں جا کر رہنے لگیں اور ایک بار تالاب پر آئی تھیں اور اس میں اشنان (غسل) کیا تب سے لوگ اس تالاب کو "سیتا سر" کے نام سے پکارنے لگے اور ہندوؤں کی تاریخوں سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اس سے قبل اس تالاب کا نام "پدما سر"

Marfat.com

اور "شینیل سر[۲]،، بھی تھا مگر اس نام کا پس منظر، نسبت اور تعلق کی تفصیل حاصل نہیں ہو سکی۔ اس کے علاوہ رام چندر جی کی والدہ کوشلیا علاقہ گھڑام کی رہنے والی تھی جو سنام سے چند کوس کے فاصلے پر واقع ہے یہ سارا علاقہ راجہ کوشل کی سلطنت میں تھا۔

مہابھارت کے زمانہ میں سنام کے گرد و نواح کا سارا علاقہ "کورو بن،، کورو کا جنگل کہلاتا تھا۔ اس جنگل میں خطہ سنام شامل نہیں تھا۔ مگر ان کی سرحدیں تھوڑے فاصلے پر واقع تھیں۔ سنام کو اس وقت کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ دورِ غزنوی میں سنام کا نام اُجاگر ہوا اور بعد میں اس کی ترقی میں اضافہ ہوتا گیا۔

پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ (بھارت) کا ایک اسکالر سردار فوجا سنگھ اپنی تحریر "پٹیالہ اور اس کا تاریخی قرب و جوار" میں قصبہ سنام کے بارے لکھتے ہیں کہ سنام کے مرکز میں ایک ویران اور خستہ عمارت کے نشانات پائے جاتے ہیں جسے "گنج شہیداں" کہتے ہیں۔ ایک اور مقام ہے جس کا پس منظر تاریخی روایات سے بھرپور ہے۔ وہ جگہ پیر بنا بنوئی کے نام سے منسوب ہے۔ موجودہ قصبہ سنام پرانے قلعہ کی چار دیواری کے اندر ہے، جو باشندوں کی جائے پناہ ہے۔ یہ قلعہ دو حصّوں میں تقسیم ہے۔ ایک قلعہ، دوسرا حصّہ نشیبی زمین اور اس کا گرد و نواح،

سنام نے پنجاب کی تاریخ میں مسلمانوں کے حملہ کے بعد نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ابیرونی بیان کرتا ہے کہ سنام اُس وقت کا ایک معروف مقام ہے۔ مزید بیان کرتے ہیں کہ بادشاہ محمد غوری نے اس کو فتح کیا، بعدہٗ سلطان التمش نے شیر خاں کو یہ علاقہ جاگیر میں عطا کیا۔ پھر غیاث الدین بلبن نے سامانہ کے ساتھ سنام کو اپنے بھتیجے شیر خاں کی وفات کے بعد تمر خاں کو عنایت کیا۔ ازاں بعد اپنے لڑکے بغرا خاں کو مرحمت ہوا۔

اٹھارویں صدی عیسوی کے نصف میں بابا آلا سنگھ نے اس علاقہ کو فتح کیا، اس وقت سے لے کر سن ۱۹۴۸ء تک ریاست پٹیالہ کا حصّہ (بحیثیت تحصیل) رہا[۵]۔

(۴) سنام کی پیداوار اور عوام

علاقہ سنام میں دو فصلیں بوئی اور کاٹی جاتی ہیں۔ فصل ربیع میں چنا، جَو، سرسوں اور خریف

میں جوار، باجرہ، مونگ، موٹھ بکثرت پیدا ہوتا ہے مگر ربیع میں گیہوں اور تمباکو، خریف میں تل سن اور گوارا بہت کم پیدا ہوتا ہے۔ چنا۔ جَو۔ سرسوں۔ جوار، باجرہ، موٹھ اور مونگ اس علاقہ سے دساور کو بھیجے جاتے ہیں۔ اس علاقہ کی زمین اکثر باسانی ہے۔ جب وقت پر بارش ہو جاتی ہے تو غلّہ بافراط پیدا ہوتا ہے اور بارش نہ ہونے سے قحط کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ اس علاقہ کی زمین کو سُنام والا نالہ سیراب کرتا ہے۔ طغیانی کی حالت میں نقصان کا بھی اندیشہ ہو جاتا ہے لیکن جس جگہ پر اس کا پانی پھیل کر بہتا ہے۔ اُس زمین کے لئے بہت سُود مند اور زرخیزی کا سبب بن جاتا ہے۔

اس علاقہ کی آب و ہوا نہایت اچھی اور صحت بخش ہے۔ دیہات اور قصبات کی زمین بھی زرخیز ہے۔ لعل گڈھ عرف لونگوال سُنام سے ۸ میل کے فاصلہ پر شمال مغرب کی جانب واقع ہے۔ یہ بہت بڑا گاؤں شمار ہوتا ہے۔ اس کا رقبہ ایک لاکھ بیگھے کے قریب ہے۔ اس کو سری مہاراجہ آلا سنگھ بانی ریاست پٹیالہ نے آباد کیا تھا۔ یہاں غلّہ کی فراوانی ہے۔

اس گاؤں کی آبادی ۱۱۰۰ نفر تھی اور بلحاظ آبادی کے سُنام کے دوسرے درجہ پر تھا۔ آج کل آبادی کی کثرت کے سبب یہ دیہات اور قصبات پُر رونق، تجارتی اور ترقی یافتہ علاقے شمار ہوتے ہیں۔

سُنام میں کمبوج قوم آباد تھی جو اسلام قبول کرنیکے بعد بھی کمبوہ کے نام سے پکاری جانے لگی۔ یہ قوم سارے پنجاب میں آباد ہے۔ ان میں سے ۸۵٫۰ فی صد کاشتکار ہیں۔ ۴ فیصد تجارت پیشہ ہیں۔ ۳٫۴ فیصد کاریگر اور صنّاع ہیں۔ ۲ فیصد محنت و مزدوری سے اپنا گذارہ کرتے ہیں اور باقی ۴٫۹ دیگر متفرق کام کاج کرنے والے ہیں جن میں ملازمت پیشہ بھی شامل ہیں۔

مسٹر ایبٹسن صاحب سپرنٹنڈنٹ مردم شماری ۱۸۸۱ء میں کمبوؤں کے دیانتدارانہ اوصاف کے بیان میں تحریر کرتے ہیں کہ ہندوستان میں خوف اور بدامنی کے زمانہ میں یہ کمبوہ ہی تھے جن پر مال دار ساہوکار روپیہ لے جانے میں بھروسہ کیا کرتے تھے اور یہ فقیری بھیس بدل کر نقدی کو منزلِ مقصود پر پہنچایا کرتے تھے۔ سرکارِ برطانیہ نے جس وقت سکھ طاقت کو مغلوب کر کے لاہور پر قبضہ کیا تو دنیا کا مشہور ترین ہیرا کوہِ نور بھی خزانہ لاہور سے ایسٹ

انڈیا کمپنی کو دیگر اموالِ غنیمت کے دستیاب ہوا۔ گورنمنٹ انگریزی نے اس نایاب ہیرے کو کلکتہ پہنچانے کے لئے شروع میں کچھ فوج ہمراہ بھیجنے تجویز کی مگر پھر بھی اس انتظام کو کافی مضبوط تصور نہ کیا گیا اور ہیرے کو ساہوکاروں کی معرفت کلکتہ پہنچانا زیادہ مناسب خیال کیا۔ اور ایک طرح پر یہ اس زمانہ کا طریق بیمہ INSURANCE تھا۔ چنانچہ ساہوکاروں نے ضمانتیں لے کر ہیرا ان کے سپرد کیا گیا۔ ساہوکاروں نے اپنے قاعدہ کے مطابق اس کام کے انجام دینے میں کمبوؤں قوم کے چند نوجوانوں کو منتخب کیا۔ وہ سُنام (علاقہ پٹیالہ) کے چار نیک چلن، دیانتدار اور خاندانی کمبوہوں پھگو سنگھ، تھمن سنگھ، ہیرا سنگھ اور نتھا سنگھ تھے۔ جن کو یہ نایاب ہیرا پہنچانے پر معمور کیا گیا۔ چاروں کمبوہ فقیرانہ بھیس تبدیل کر کے ہیرے کو بحفاظت تمام کلکتہ پہنچا کر واپس آئے اور ہزارہا اشرفی کی قیمت کے اس ہیرے کو اپنے قبضہ میں آجانے کے بدظن اور بدنیت نہ ہوئے۔ ان چاروں کمبوہوں کی اولاد آج بھی قصبہ سُنام میں موجود ہے ان کی برادری کے اکثر افراد اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ان لوگوں کو من حیث القوم اور بلالحاظ مذہب و ملت یہ فخر حاصل ہے جنہوں نے اپنی قوم کی دستار اعزاز میں افتخار کا طرہ پیوست کیا اور دیانتداری کا ثبوت دیا۔ [۳]

دیانتدار ہونے کے علاوہ سُنام کی عوام محنت کش، کاشتکار اور کامیاب صنعت کار خاصی تعداد میں رہائش پذیر ہیں۔ کمبوہوں کے ہم پلہ اور مساوی ارائیں (الراعی) قوم بھی یہاں خاصی آباد ہے۔ جن کا پیشہ کاشتکاری ہے۔ یہ قوم دیانتدار اور مسکین طبع ہے مگر فسادی نہیں رہیں۔

(۵) سُنام کی اہمیت اور چند مشاہیر

سرہند[۱] ایک معروف مقام ہے مگر یہ مقام غزنویوں کی عملداری میں شامل نہیں تھا۔ کیونکہ غزنوی دُور کا عظیم مورخ البیرونی اپنی تصنیف "کتاب الہند" میں اس مقام کا ذکر نہیں کرتا۔ جس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام اس وقت ہندوؤں اور غزنویوں کے ممالک کے درمیان سرحد کا کام دیتا تھا اور اس مقام سے آگے ہندوستان کی سرزمین شروع

Marfat.com

ہو جاتی تھی۔ اسی نسبت سے اسکا نام "سرہند" یعنی ہند کی سرحد کنارہ یا سرا مشہور تھا۔ یہ مقام دہلی اور لاہور کے تقریباً وسط میں واقع ہے۔ بخارا اور کابل، لاہور اور دہلی سے آنے جانے والے قافلے یہاں قیام کرتے تھے۔ سرہند میں داخل ہونے سے قبل ان لوگوں کو سامانہ اور سُنام سے بھی گزرنا پڑتا تھا جو اس وقت آباد اور پُر رونق علاقے تھے۔ ان مقامات کے مکین اپنی ضروریات کے مطابق خرید و فروخت کرتے تھے۔ لین دین کا طریقہ مال بعوض مال تھا۔ تجارتی اور کاروباری لحاظ سے ان علاقوں کو خاصی اہمیت تھی۔

تاریخ ناصری کا مصنف بیان کرتا ہے کہ یہ مقامات سلسلہ کوہ کے نزدیک ہونے کے سبب چینی مال (CHINA GOODS) ان علاقوں کے بازاروں میں فروخت ہوتا تھا۔ یہ سامان کوہ شوالک کی پہاڑیوں اور گھاٹیوں کے راستے چینی تاجر درآمد کرتے تھے۔ سرہند، سامانہ، سُنام اور نواحی بستیوں کے باشندے اپنی ضروریات کے مطابق لین دین کرتے تھے۔

بین الاقوامی تجارتی تعلقات کے سبب ان قدیم مقامات کی اہمیت بڑھ گئی اور دولت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ یہ نواحی بستیاں بھی متاثر ہوئیں۔ اس کے علاوہ سمانا (سامانہ) اور سُنام میں اولیائے کرام کے مزارات موجود ہونے کے سبب ان کا براس شریف اور سرہند شریف میں قدیم روحانی رشتہ بھی قائم ہو چکا تھا۔

غیاث الدین بلبن، علاء الدین مسعود کے زمانے میں میر حاجب تھا اور اس نے اپنی صلاحیتوں کا بڑا مظاہرہ کیا ہوا تھا۔ جن کی وجہ سے سلطان ناصر الدین کے عہد میں اسے نائب السلطنت بنا دیا گیا اور امور سلطنت کو بحسن و خوبی انجام دیا۔ ۶۶۵ھ/۱۲۶۶ء میں سلطان ناصر الدین محمودؒ کا انتقال ہوا۔ تو بلبن آسانی سے تخت پر قابض ہو گیا اور اس نے نہایت عزم و استقلال سے سلطنت دہلی کے کھوئے ہوئے وقار کو از سرِ نو بحال کیا۔ سلطان ناصر الدین محمودؒ کے زمانہ میں مسلم انڈیا ذیل صوبوں میں منقسم تھا۔ (۱) کڑہ مانک پور (۲) اودھ (۳) بدایوں (۴) سرہند (۵) سُنام (۶) گھڑام (۷) لاہور (۸) شوالک (۹) ناگور۔

سلطان ناصر الدین محمودؒ (۱۲۴۶ء-۱۲۶۶ء) کے زمانہ میں سُنام کو ایک صوبہ کی حیثیت حاصل تھی۔ وسطی صوبہ ہونے کے سبب یہ علاقہ پُر رونق اور یہاں کے لوگ خوش حال تھے۔

Marfat.com

غیاث الدین بلبن نے دورانِ حکومت سُنام اور سمانا (سامانہ) اپنے بیٹے بغرا خاں کو جاگیر میں عطا کیا [۴] جو اس زمانہ میں اللہ تعالےٰ کا ایک انعام تھا۔ رعایا خوش حال تھی، تجارت کو فروغ تھا، صنعت کاروں نے ترقی کی ہوئی تھی۔ اس امن وامان کے زمانہ میں سُنام میں ایک درسگاہ قائم ہوئی جس میں فارسی اور عربی زبان کے مشہور و معروف عالم اور فاضل استاد دیگر اسلامی ملکوں سے بلوائے گئے۔ جو درس و تدریس کے لیے مقرر کئے گئے جن کی سعی جمیلہ سے علمی و روحانی اور اسلامی تحریکات جن کا آغاز دورِ غزنوی میں ہو چکا تھا نے ترقی پائی اور معاشرتی زندگی میں خالص اسلامی رنگ پیدا ہوا۔ طالبانِ علم و آداب اس درسگاہ میں داخل ہوئے۔ دینی و دنیاوی علوم سے فیض یاب ہوئے۔

بیان کرتے ہیں کہ اس درس گاہ سے بڑے بڑے متبحر علماء اور شعراء فارغ التحصیل ہوئے جو آسمانِ شہرت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور عوام الناس کے دامن کو دولتِ علم سے بھر دیئے۔ بوجہ خوف طوالت صرف سُنام کے چند مشہور و معروف بزرگان دین اور اہلِ علم و ادب کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مولانا عمید سُنامیؒ

آپ ۶۰۱ھ/۱۲۰۴ء میں سُنام میں پیدا ہوئے۔ سُنام کے دارالعلوم میں تعلیم پائی۔ آپ کے شخصی حالات بہت کم یاب ہیں۔ آپ فارسی ادب کے ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ فنِ شاعری کے ساتھ ساتھ علم نجوم میں بھی ماہر تھے۔ شعر گوئی، انشاء پردازی، صنائع بدائع، حسن بیان، فصاحت و بلاغت، مزاح و لطافت میں بے نظیر تھے۔ آپ کا مجموعہ غزلیات دو دیل کتابوں میں محفوظ ہے۔ منتخب التواریخ[۱]، عرفات العاشقین[۲] اور گل رعنا[۳] وغیرہ،

مولانا ضیاء الدین سُنامیؒ

پیدائش - ۶۴۱ھ وفات ۶۹۱ھ

آپ حضرت خواجہ[۵] نظام الدین اولیاءؒ کے ہم عصر تھے اور سُنام جیسے مردم خیز خطہ میں پیدا ہوئے۔ صاحبِ فضل و کمال تھے۔ درس و تدریس، ہدایت خلق اور تبلیغ دین اسلام میں جس قدر خدمات انجام دیں یہ سعادت بہت کم بزرگوں کو نصیب ہوئی۔ آپ پابند صوم و صلوٰۃ اور حامی شریعت

Marfat.com

تھے۔ آپ کی ذات اخلاق حمیدہ کی جامع تھی۔ شہر دہلی کے محتسب بھی رہے۔ سماع پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ جب مرض موت میں مبتلا ہوئے تو شیخ نظام الدین اولیاءؒ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ مولانا کو اطلاع ہوئی تو اپنا دستارچہ راستہ میں بچھوا یا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے دستارچہ کو اٹھایا اور آنکھوں سے لگالیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اخبار الاخیار میں بیان کرتے ہیں: "پھر جب خواجہ نظام الدینؒ مولاناؒ کے سامنے بیٹھ گئے تو مولانا نے آنکھیں چار نہ کیں۔ خواجہ صاحبؒ کے باہر تشریف لانے کے بعد اندر سے رونے کی آواز آئی کہ خواجہ ضیائیؒ انتقال فرما گئے۔ شیخ نہایت افسردہ ہو کر آبدیدہ ہوئے اور فرمایا کہ شریعت کا حامی ایک ہی مرد مجاہد تھا افسوس کہ آج وہ بھی نہ رہا۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے"۔

آپ کی معروف تصنیف " نصاب الاحتساب " ہے جو احتساب کے دقائق اور قواعد کے ساتھ مختلف قسم کی بدعات کے خلاف احکام شرعیہ کے پیش نظر آپ نے تحریر فرمائی۔ [۶]

چنگیزی یلغاروں کی وجہ سے بے شمار مسلمان اپنا وطن چھوڑ کر برصغیر پاک و ہند میں پناہ گزیں ہوئے۔ ہجرت کرنے والوں میں بڑی اہم اور ذی شان ذی اقتدار شخصیتیں بھی تھیں۔ ان میں بزرگ اور اللہ والے لوگ بھی تھے جو چنگیز خاں اور اس کے منگول جانشینوں کے ظلم وستم، جبر و استبداد سے نہ بچ سکے۔ جب روزگار کے حوادث سے کابل کی سلطنت کو زوال پہنچا تو حضرت مجدد الف ثانیؒ (م ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) کے جد اعلیٰ شہاب الدین فرخ شاہ فاروقیؒ بھی کابل سے آکر سنام میں آباد ہوئے۔ [۷] حضرت بابا فرید الدینؒ مسعود گنج شکرؒ م ۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء کے دادا کا نام قاضی شعیبؒ تھا۔ قاضی شعیبؒ کے تین لڑکے تھے۔ پہلے بیٹے کا نام قاضی جمال الدین سلیمانؒ تھا۔ دوسرے لڑکے کا نام شیخ عبداللہ تھا۔ جن کی اولاد حضرت مجدد الف ثانیؒ تھے۔ تیسرے صاحبزادے شیخ شعبانؒ تھے۔ جن کی اولاد جون پور میں آباد ہے۔ قاضی شعیبؒ کے بیٹے شیخ عبداللہ کا نسب نامہ یوں بیان کیا جاتا ہے: شیخ عبداللہ بن قاضی شعیبؒ بن حضرت شیخ محمد احمد بن حضرت محمد یوسفؒ

Marfat.com

بن حضرت شہاب الدین احمد فرخ شاہؒ بن نصیر الدین محمودؒ۔"۔ ۹

شہاب الدین احمد فرخ شاہؒ آپ کا اسم گرامی سلطان شہاب الدین احمدؒ تھا اور لقب فرخ شاہ تھا۔ والد بزرگوار کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوئے۔ بیان کرتے ہیں کہ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے غزنہ و کابل سے آکر ہندوستان پر حملہ کیا اور لوگوں کو توحید کی دعوت دی۔ سُنام میں سکونت اختیار کی۔ دین اسلام کو رواج دیا۔ اسی وجہ سے آپ کے خاندان کے لوگ "کابلی" کہلاتے ہیں۔ کابل کی بادشاہی چھوڑ کر فقیری اور درویشی اختیار کی۔ شہاب الدین احمد فرخ شاہؒ کے متعلق تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ وہ کابل کے بادشاہ تھے۔ زبدۃ المقامات میں درج ہے کہ فرخ ایک مقتدر آدمی تھے اور سلطان کابل کے وزیر تھے۔ مگر علم تاریخ کے طالب علم اعتراض کرتے ہیں کہ مذکورہ بیانات کو تاریخ کے اوراق ثابت نہیں کرتے کہ فرخ شاہ کی حکومت کابل میں کس زمانہ میں تھی اور کب اس کا خاتمہ ہوا۔ بہرحال تحقیق و تجسس کی راہیں کھلی ہیں اور یہ امر بھی قابلِ تحقیق ہے۔

سُنام کے علاوہ سمانہ (سامانہ) کو بھی اہمیت تھی۔ قطب الدین ایبک نے ۶۰۳ھ/۱۲۰۶ء میں دہلی کا تخت سنبھالا۔ اس وقت سے لے کر سلطان فیروز شاہ تغلق کی تخت نشینی تک سمانہ (سامانہ) ایک معروف مقام تھا۔ جلال الدین خلجی بادشاہ بننے سے پہلے یہیں کا ناظم تھا اور قرب و جوار کے لوگ مال گزاری کی سرکاری رقوم جس میں علاقہ سُنام بھی شامل تھا۔ سمانہ (سامانہ) میں داخل خزانہ کرواتے تھے۔

سلطان فیروز شاہ تغلق مشفق، مہربان، حق شناس، وفادار اور دین اسلام میں پاکیزہ عقیدہ رکھتا تھا۔ اکابر دین اور ان کے خاندان کی عزت و حرمت کرتا تھا۔ رعایا کی خوشحالی، فارغ البالی اور آسودگی کی طرف ہمیشہ متوجہ رہتا تھا۔ اس کا اصول یہ تھا کہ کثرت محاصل ترقی دولت کا سبب نہیں۔ بلکہ رعایا پروری، باشندگانِ ملک کی خوشنودی و خوش حالی ترقی دولت کی بنیاد ہے۔ زمانہ کے پے در پے انقلابات اور پہاڑوں پر بعض چٹانوں کے گر جانے سے ایک قدیم ندی جو سُنام کے ایک جانب بہتی تھی اور اس زمین کو سیراب

Marfat.com

کرتی تھی۔ خشک ہوگئی۔ کسی سال بارش ہوتی۔ کسی سال موسم خشک رہتا جس کے سبب فصلیں برباد ہوجاتی تھیں اور قحط کے آثار نمودار ہوجاتے تھے جو رعایا کی پریشانی کا سبب بنتے۔ بادشاہ نے چٹانوں اور ٹیلوں کی روکاوٹوں کو دور کرکے ایک نہر کھدوائی، بعض مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ اس نہر کو قدیم ندی جو کہ خشک ہوچکی تھی مگر اس کے آثار نمایاں تھے، کی گذرگاہوں سے ملا دیا تاکہ اس کا پانی سرہند، منصور پور اور سنام کو رواں دواں ہو اور ان علاقوں کی فصلیں سیراب ہوسکیں۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ[11] میں یوں مرقوم ہے۔ "شہر اور قلعہ کی تعمیر کرانے کے علاوہ دریائے ستلج سے ایک نہر نکلوائی جو سرہند سے گزرتی ہوئی سنام تک جا پہنچی تھی یہ نہر غالباً سرہند چوا (پہاڑی نالہ) کے ساتھ ساتھ جاتی تھی"۔

مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں چند قدیم تاریخی کتابوں کے حوالے بھی پیش کئے جاتے ہیں۔ تاریخ فرشتہ[12] میں مرقوم ہے۔ کہ ۷۶۳ھ/۱۳۶۱ء میں بادشاہ سلامتی کے ساتھ دہلی واپس آیا۔ دارالسلطنت میں پہنچ کر بادشاہ کو معلوم ہوا کہ پدور[13] کے پاس ایک پہاڑ ہے جس سے پانی نکل کر دریائے ستلج میں گرتا ہے، دریائے سرسوتی کے کنارے ایک ندی بہتی ہے۔ لوگ اس کو سلیم ندی[14] کے نام سے پکارتے ہیں۔ ایک بڑا ٹیلہ دریائے سرسوتی اور سلیم ندی کے درمیان حائل ہے اگر یہ ٹیلہ کھود ڈالا جائے تو اس ندی کا پانی سرسوتی میں گر جائے گا۔ اور اس ندی کا سیلاب سرہند، منصور پور کو سیراب کرتا ہوا سمانہ (سامانہ) تک پہنچ جائے گا۔ بادشاہ یہ بات معلوم کرکے پدور کی طرف چل پڑا۔ حکم دیا کہ پچاس ہزار بیل دار جمع کئے جائیں جو اس درمیانی ٹیلہ کو کھود کر ندی اور دریا کو باہم ملا دیں۔ فوراً اس حکم کے مطابق کام شروع ہوگیا۔ اس زمین کی تہ سے آدمیوں اور ہاتھیوں کی ہڈیاں برآمد ہوئیں۔ آدمی کے ہاتھ کی ہڈیاں تین گز لمبی تھیں اور ان میں سے بعض تو پتھر ہوگئی تھیں۔ اور بعض ہڈیاں اپنی اصلی صورت میں تھیں۔ بادشاہ نے سمانا (سامانہ) کے حدود سے سرہند کو جدا کرلیا اور سرہند کے رقبہ میں دس کوس زمین اور ملادی اور ملک شمس الدین اور ضیاء الدین البورجاکے ہاتھ میں وہاں کی عنانِ حکومت سپرد کی۔

Marfat.com

مذکورہ بیان کہ آدمی کے ہاتھ کی ہڈیاں تین گز لمبی تھیں غیر صحیح ہے۔ صاحب منتخب التواریخ[۱۵] لکھتے ہیں۔ جب اس پشتہ کو کھودا گیا تو اس میں ہاتھیوں اور آدمیوں کی بہت ہڈیاں برآمد ہوئیں۔ آدمیوں کے ڈھانچوں میں ہاتھیوں کی ہڈیاں تین تین گز لمبی تھیں۔ کچھ گلی ہوئی تھیں اور کچھ اُسی طرح باقی تھیں۔"

ہم بلاشک و شبہ بیان کر سکتے ہیں کہ کسی انسان کے ہاتھ کی ہڈیاں تین گز لمبی نہیں ہو سکتیں۔ یہ محض صاحبِ تاریخ فرشتہ کا قیاس ہے۔ صاحب سیر المتاخرین[۱۶] نے بھی اس واقعہ کو بغیر تحقیق کے اُسی طرح دوہراتے ہیں جس طرح محمد قاسم نے تاریخِ فرشتہ میں بیان کیا ہے۔

حضرت امام رفیع الدین قدس سرہٗ

آپ شیخ نصیر الدین قدس سرہٗ کے فرزند تھے۔ باطنی استفادہ اپنے والد بزرگوار اور دیگر مشائخ چشت سے کیا[۱۷]۔ حضرت امام رفیع الدینؒ سُنام میں پیدا ہوئے۔ سُنام میں سکونت اختیار کی۔ وہاں ہی سے تحصیلِ علم ہوئے جو اُس وقت علمی و دینی اور روحانی مرکز تھا۔ پھر سُنام کی درس گاہ جو سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں قائم ہوئی تھی۔ میں بھی درس دیا کرتے تھے۔ عمر کے آخری سالوں میں سرہند تشریف لے گئے۔ وہاں ہی وفات پائی۔ مزار مبارک سرہند شہر کے باہر تھا۔ لیکن اب کثرتِ آبادی کے باعث شہر کے اندر آ گیا ہے[۱۸]۔

آپ اپنے والد شیخ نصیر الدینؒ کے خلیفہ اعظم تھے۔ والد بزرگوار کے علاوہ آپ نے تقریباً چار سو مشائخ کبار سے استفادہ کر کے خلافت حاصل کی۔ اور آخر میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین بخاری قدس سرہٗ کے خلیفہ ہوئے حضرت مخدومؒ نے آپ کے کمال زہد و تقویٰ کی وجہ سے آپ کو اپنا "امام نماز" مقرر کیا اور شرف دامادی بھی بخشا۔ سرہند کی بناو تعمیر کا سہرا بھی آپ کے سر ہے[۱۹]۔

سرہند کے گرد و نواح اور نزدیک تر کوئی شہر نہ تھا۔ صرف ایک سمانہ (سامانہ) تھا جو سرہند سے چوبیس میل کے فاصلہ پر تھا۔ لوگ سرکاری روپیہ داخل کرانے کے لئے سامانہ جایا

کرتے تھے جو باعثِ تکلیف و پریشانی تھا۔ جو لوگ سامانہ میں خزانہ پہنچانے جایا کرتے تھے۔ سب کے سب حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ[۲۰] کی خدمت میں جو سلطان فیروز شاہ تغلق کے مرشد تھے آئے اور عرض پرداز ہوئے کہ آپ سلطان سے درخواست کریں کہ یہاں ایک شہر آباد کریں۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ نے ان لوگوں کی التماس کو قبول کیا۔ آپؒ دہلی آئے۔ پہلی ہی ملاقات میں اس مطلب کا اظہار کیا۔ بادشاہ نے منظور کر کے اُسی وقت حکم دیا کہ فلاں مقام پر شہر آباد کیا جائے۔

امام رفیع الدینؒ کا بڑا بھائی خواجہ فتح اللہؒ جو بادشاہ فیروز شاہ تغلق کا وزیر تھا اس کام کو مکمل کرنے کے لئے مقرر ہوئے۔ خواجہ صاحبؒ دو ہزار آدمیوں کو لے کر وہاں آکر عمارت کے کام میں مشغول ہو گئے۔ پہلے قلعہ کی بنا اس ٹیلہ پر رکھی جس میں جنگل تھا۔ قریباً ایک ہاتھ اونچی دیوار بنائی۔ جب دوسرا دن ہوا تو دیوار گر پڑی۔ ہر روز یہ ہی عمل پیش آیا۔ اس واقعہ کی اطلاع بادشاہ کو دی گئی۔ بادشاہ نے اس کا علاج حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے سپرد کیا۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ نے اپنے خلیفہ اعظم اور امام نماز شیخ رفیع الدینؒ کو جو سُنام کے باشندے تھے اور اکثر سُنام میں رہا کرتے تھے حکم دیا کہ وہاں جا کر حقیقت حال دریافت کر کے قلعہ بنوائے۔ جب حضرت امام نمازؒ اس مقام پر آئے تو معلوم ہوا کہ حکومت کے اہلکاروں نے کسی دوست خدا کو زبردستی مزدوروں میں شامل کر لیا ہے۔ اس واسطے وہ رات کو اپنی توجہ سے دیوار گرا دیتا ہے۔ پھر حضرت امام نمازؒ نے توجہ کی کہ وہ کون مردِ خدا دوست ہے تو معلوم ہوا کہ شاہ شرف بوعلی قلندرؒ ہیں[۲۱]۔ حضرت امام نمازؒ نے اس معاملہ میں اپنے بھائی کے قصور کی معافی چاہی۔ شیخ بوعلی قلندرؒ نے فرمایا کہ اے رفیع الدین آپ کے لحاظ و خوشنودی کے لئے یہ شہر آباد رہے گا۔ ورنہ قیامت تک میں اس کو آباد نہ ہونے دیتا[۲۲]۔

آپ نے قلعہ سرہند کی بنیاد ۶۰۷ھ/۱۳۵۸ء میں رکھی۔ حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کی ولادت ۶۵۲ھ اور وفات ۷۲۴ھ بتائی جاتی ہے۔ آپ حضرت مولانا ضیاء الدین

Marfat.com

سُنامی کے ہم عصر بھی تھے۔[۲۳] اگر حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کی وفات ۷۲۴ھ اور قلعہ سرہند کی بنیاد و تعمیر ۷۶۰ھ تسلیم کر لی جائے تو مذکورہ سنین میں بیان کردہ واقعہ کی مطابقت نہیں پائی جاتی۔ (واللہ اعلم)

حضرت امام نماز صاحبؒ کو سلطان فیروز شاہ تغلق نے بہت سے گاؤں بطور نیاز دیئے۔[۲۴] اور سرہند کا انتظام آپ کے سپرد کیا۔ حضرت امام نمازؒ کی اولاد "کابلی" کے نام سے اب تک معروف ہے۔

ضیاء الدین برنی تاریخ فیروز شاہی میں اپنے عہد کے چند علماء کا ذکر کرتا ہے۔ جن میں مولانا رکن الدین سُنامیؒ کا نام بھی شامل ہے۔

مولانا رُکن الدّینؒ

آپ سُنام میں پیدا ہوئے۔ سُنام میں تعلیم و تربیت پائی اور اس خطّہ میں رُشد و ہدایت کی شمع کو فروزاں کیا۔ وہاں ہی وفات پائی۔ آپ کی زندگی کے حالات بہت کم یاب ہیں، ہو سکتا ہے کہ آپ شہرت کو پسند نہ کرتے ہوں اور تبلیغی فرائض کو ثوابِ دارین سمجھ کر انجام دیتے ہوں اور گمنامی کے گوشہ میں زندگی بسر کی ہو۔ آپ مولانا برہان الدین بھکریؒ کے ہمعصر تھے۔ علم و فضل میں بے مثل تھے۔

سُنام میں عُلماء فضلا اور صلحاء کے علاوہ اہلِ دل، اہلِ درد اور اہلِ قلم بھی تھے۔ جنہوں نے اسلام کی بھرپور اشاعت کی، جہاد بالنفس کے ساتھ ساتھ جہاد بالسیف سے بھی دریغ نہ کیا۔ بعض راہِ خدا میں شہید ہوئے اور بعض فضلِ خداوندی سے کامیاب ہوئے۔ حضرت شیخ وجیہ الدین عثمان سیّاح سُنامیؒ کا تعلق پہلی قسم کے صوفیاء سے ہے جنہوں نے جہاد بالنفس سے دریغ نہ کیا۔

شیخ وجیہ الدّین عثمانؒ

آپ سُنام میں پیدا ہوئے۔ وہاں ہی تعلیم و تربیت پائی۔ آپ کے والد کا نام قاضی حمید الدین منہاجؒ تھا۔ سیر و سیاحت کا بہت شوق تھا اور سیّاح کے نام سے مشہور ہوئے۔ روزگار کی تلاش میں سُنام سے دہلی آئے۔[۲۵] حضرت شیخ رُکن الدّینؒ کے

مُرید ہوئے مگر خرقۂ خلافت سفر سے واپسی کے بعد ملتان میں پایا تھا۔ دو سال تک شیخ رکن الدینؒ کے ساتھ رہے۔ انہوں نے اس زمانہ میں قرآن حفظ کیا اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی کتاب "عوارف" شیخ رکن الدینؒ سے پڑھی اور وہاں سے اجازت لے کر مکّہ معظمہ چلے گئے۔[26]

حضرت شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلویؒ سے[27] منقول ہے کہ میں نے شیخ عثمانؒ کو دیکھا تھا جس روز وہ مرید ہوئے اس دن ترک دنیا کر دیا تھا۔ ایک لنگی کے سوا کہ جس سے اپنے ستر کو پوشیدہ رکھ سکیں کوئی کپڑا ان کے جسم پر نہ تھا۔ یہاں تک کہ سر سے پگڑی بھی اُتار دی تھی۔ اور اس طرح سلطان رکن الدینؒ کی خدمت میں رہتے۔ ایک دن حضرت شیخؒ سے اجازت لی اور اسی تہ بند کو باندھے ہوئے چل پڑے۔ نہ ان کے پاس لوٹا تھا اور نہ عصا، اس طرح تنہا سیاحی کی، مکّہ معظمہ پہنچے۔ حج کیا اور وہاں سے مدینہ منورہ آئے اور حضرت رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ ساتویں سال کے بعد اس طرح تنہا ننگے سر ملتان پہنچے اور اپنا گرد آلود چہرہ اسی لباس میں کہ جو پہنے ہوئے تھے اپنے پیر شیخ رکن الدینؒ کے قدموں سے ملا۔ حضرت شیخؒ اُن سے بغلگیر ہوئے۔ ان کے سر اور آنکھوں کو چوما اور اپنا لباس مبارک پہنایا اور اپنے سر سے پگڑی اُتار کر ان کے سر پر رکھ دی۔

چند روز کے بعد دہلی جانے کی اجازت ہوئی اور کہا کہ جاؤ حضرت نظام الدینؒ وہاں ہیں۔ تم بھی دہلی میں رہو۔ زیادہ تر حضرتؒ کی خدمت میں رہنا۔ آپ دہلی تشریف لے آئے۔ حضرتؒ اس قدر اظہارِ محبت فرماتے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ آپ ذکرِ الٰہی میں ایسے فنا تھے کہ ان کا بال بال ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتا تھا۔ دہلی سے واپس ملتان آئے پھر اپنے وطن سنام نہیں گئے۔

مؤلف "مزاراتِ اولیائے دہلی" نے لکھا ہے کہ[28] شیخ عثمان سیاحؒ کا انتقال ۷۳۸ھ/۱۳۳۸ء میں ہوا۔ اخبار الاخیار میں آپ کا سنِ وفات ۷۵۸ھ/۱۳۵۶ء درج ہے۔ آپ کا مزار پرانی دہلی میں ہفت پل جسے سلطان محمد عادل نے بنوایا تھا کے قریب واقع ہے۔[29]

Marfat.com

مفتی غلام سرور خزینۃ الاصفیاء میں بیان کرتے ہیں[۳۰] "وفات آں جامع الکمالات در سال ہفت صدو سی و ہشت ۷۳۸ھ ہجری است"۔ آپ کے پیر و مرشد شیخ رکن الدین ملتانیؒ کا وصال ۷۳۵ھ/۱۳۳۵ء میں ہوا۔

شمس الدین دبیر

اہالیان سُنام بزرگانِ دین کے بہت عقیدت مند تھے جن کی دعا و برکت سے ایک مفلس اور نادار شخص شمس نامی رتبہ وزارت کو پہنچا۔ حضرت سلطان المشائخ الملت والدینؒ سے منقول ہے[۴۱] کہ ایک شخص شمس الدین دبیر نامی تھا، سُنام کا باشندہ تھا۔ وہاں سے قصبہ اجودھن میں آیا۔ حضرت سلطان المشائخ فرید الملتؒ کی خدمت میں زمین بوسی سے مشرف ہوا اور حضرت کی خدمت میں رہنے لگا۔ علم سلوک کی ایک کتاب "لوائح" ہے، جو برگزیدہ حق شیخ حمید الدین ناگوریؒ نے تصنیف فرمائی اس شخص نے وہ کتاب "لوائح" حضرت کی خدمت میں پڑھنی شروع کی۔ یہ شخص دبیر شاعر تھا۔ اس نے ایک طولانی قصیدہ حضرت سلطان المشائخ فرید الملت والدینؒ کی شان میں لکھا۔ اس نے اجازت چاہی کہ وہ حضور میں پڑھے۔ حضرت نے اس کو پڑھنے کی اجازت دے دی۔ شمس دبیر کھڑا ہوا اور قصیدہ پڑھا۔ قصیدہ ختم ہونے کے بعد شیخ نے فرمایا کہ بیٹھو اور دوبارہ پڑھو۔ حضرت المشائخ اُس کی تسکینِ قلب کی خاطر ہر شعر پر اس کی تعریف فرماتے۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا تمنا ہے۔ شمس نے عرض کی کہ ناداری اور غربت ہے۔ میری والدہ بھی ہیں اور لڑکا بھی ہے[۴۲]۔ ان کی پرورش میرے ذمہ ہے۔ حضرت شیخؒ نے دعائے خیر فرمائی۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں مال و دولت حاصل ہوئی اور بادشاہ کا وزیر مقرر ہوا[۴۳]۔

حضرت شیخ احمد عبد الحق ردولیؒ کی سُنام میں سکونت

حضرت شیخ محمد جلال الدین محمود پانی پتی الگازرونیؒ حضرت شمس الاولیاءؒ شیخ شمس الدین ترک پانی پتیؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر قدس سرہٗ سے بھی اخذ فیض

ہوئے۔ ان کے علاوہ بہت سے مشائخِ عظام کی صحبت پائی۔ ۱۳ ربیع الاول ۷۶۵ھ /۱۳۶۳ء سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہدِ سلطنت میں وفات پائی۔ مزار پُر انوار پانی پت میں واقع ہے۔

آپ سلسلہ "چشتیہ صابریہ" سے منسلک تھے۔ اس سلسلہ کو فروغ دیا۔ آپ ہی کی ذاتِ اقدس کے سبب اس سلسلہ کا تیسرا مرکز پانی پت بنا۔ جس کی روشنی نے علاقہ سُنام کو اور اس کے گرد و نواح کی بستیوں کو منوّر کیا۔ آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کا دائرہ بڑا وسیع ہے آپ کے مُریدوں اور خلفاء کی مقدار چالیس تھی اور عقیدتمندوں کی تعداد حدِ شمار سے باہر تھی۔ ان خلفاء میں سے حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولیؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جو مذکورہ سلسلۂ طریقت اور ان کی خانقاہوں کو فروغ دینے میں ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔

حضرت شیخ احمد عبدالحقؒ ردولی سے پیدل دہلی آئے۔ اپنے بھائی تقی الدینؒ کے پاس قیام کیا۔ پھر دہلی سے نکل کر مختلف شہروں اور قصبوں کے بزرگوں سے ملاقاتیں کیں آخر رُشد و ہدایت کی شمع کو روشن کرتے ہوئے قصبہ سُنام میں سکونت پذیر ہو گئے۔ اور سلسلہ "چشتی صابری پانی پتی" کو یہاں بھی فروغ دیا۔ آپ ہدایت خلق، تبلیغ دین اسلام اور درس و تدریس کے سلسلے میں خود مختلف مقامات پر تشریف لے جاتے اور لوگوں کو احکاماتِ الٰہی اور پیغاماتِ رسولِ مقبولؐ سے آگاہ کرتے اور ان پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتے۔

حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے اپنے پیر و مُرشد حضرت قطب العالم شیخ احمد عبدالحق ردولوی صاحب توشہؒ کے حالات اور فیوض و برکات و کرامات کو کتابی صورت میں بزبان فارسی پیش کیا۔ جس کا نام آپ نے "انوار العیون فی اسرار المکنون" رکھا پھر مسکین محمد نظام الدین عشق کیرانوی نے مولانا حافظ محمد عبدالاحد مالک مطبع مجتبائی دہلی کی فرمائش پر ماہ اپریل ۱۸۹۴ء میں اردو زبان میں منتقل کیا۔ جو مذکورہ پریس سے اسی سال پہلی بار الدر المکنون فی ترجمہ انوار العیون کے نام سے شائع ہوا۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۳

Marfat.com

پر رقم طراز ہیں کہ قصبہ سُنام میں شیخ[۳۴] نے ایک ضعیفہ کے مکان پر قیام کیا اور ہمیشہ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہتے تھے۔ وہ ضعیفہ بھی بڑی عابدہ تھی۔ ریاضت و مجاہدہ بہت کرتی تھی، وہاں ایک مجذوب صاحب خدمت تھے۔ آپ ان کی مجلس میں اکثر جایا کرتے تھے اور ان کے لئے کھانا بھی لے جاتے تھے وہ بھی ان کے ہاتھ سے کھانا کھا لیتا تھا اور کہتا تھا۔ یہ رحمت حق ہے۔ ایک روز ضعیفہ نے خواب دیکھا کہ حوض میں مچھلیاں ماری جاتی ہیں صبح شیخ سے تعبیر چاہی۔ آپ نے کہا "مجھے بھی رات یہ ہی خواب آیا ہے" مگر تمہارے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ سُنام برباد ہوگا اور میرے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ دہلی برباد ہو گئی۔ چنانچہ تھوڑے دنوں کے بعد امیر تیمور ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ آپ نے مجذوب سے پوچھا کہ کیا رائے ہے اس نے کہا "میں یہاں سے چلا جاتا ہوں"۔ "تم بھی چلے جاؤ" آخر آپ شہر اودھ[۳۵] میں تشریف لے آئے۔

شیخ نظام الدینؒ اور شیخ عبدالصمدؒ

امیر تیمور کے حملہ آور ہونے سے کچھ مدت قبل حضرت جلال الدین پانی پتیؒ کے دو جلیل القدر خلفاء اور مُرید صادق حضرت شیخ نظام الدینؒ اور شیخ عبدالصمدؒ علاقہ سُنام میں رہائش پذیر تھے۔ یہ دونوں بزرگ سُنام میں پیدا ہوئے اور سُنام میں تعلیم و تربیت پائی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد حضرت جلال الدینؒ پانی پتی کے مرید ہوئے اور خرقہ خلافت پایا۔ سُنام میں درس و تدریس اور اشاعتِ اسلام کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ کی خانقاہ ذکرِ الٰہی سے آراستہ اور فکرِ حق سے معمور رہتی تھی۔ سُنام میں وفات پائی اور وہاں ہی دفن ہوئے۔

روایت بیان کرتے ہیں کہ شیخ نظام الدین سُنامیؒ کے وصال کے بعد آپ کی قبر کے اندر روشنی نکلتی محسوس ہوتی تھی۔ اتفاقاً حضرت جلال الدین پانی پتیؒ کسی تقریب کے سلسلے میں سُنام تشریف لائے ہوئے تھے تو لوگوں نے آپ کے مُرید و خلیفہ کی اس روشنی کا ذکر کیا۔ آپ رات کے وقت شیخ نظام الدین سُنامیؒ کی قبر

پر پہنچے۔ فاتحہ خوانی کے بعد فرمایا کہ بیشک آپ کے درجات بلند ہیں اور ایسے مشاہدات وکمالات عام لوگوں کی نظروں میں نہیں آنے چاہئیں تاکہ خلافِ شریعت نہ ہو۔ اس کے بعد وہ روشنی کسی کو دکھائی نہ دی۔

شیخ نظام الدین سُنامیؒ اور شیخ عبدالصمد سُنامیؒ کے حالات بہت کم یاب ہیں۔ آپ کی تبلیغی اور صوفیانہ سرگرمیوں کے متعلق بہت کم معلومات حاصل ہیں۔ آپ کے مزارات کی نشاندہی بھی سند کے ساتھ نہیں کی جاسکتی کیونکہ علاقہ سُنام کا عظیم تودہ زمین جو اُجڑے دیاروں اور مدفون کھنڈرات پر مشتمل ہے جس کی گود میں کئی اولیاءِ عظام استراحت فرما ہیں کے اسماءِ گرامی اور قبور کے نشانات نامعلوم ہیں۔ صرف چند ٹوٹی پھوٹی قبریں نظر آتی ہیں جو گذشتہ دور کی اسلامی عظمت کی یاد دلاتی ہیں۔

مذکورہ بیانات سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ علاقہ سُنام اور اُس کے گردو نواح کی بستیاں جن میں سامانہ بھی شامل ہے۔ سلسلہ "چشتیہ صابریہ" کا اہم مرکز رہا اور حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ کے اکثر خلفاء اور عقیدت مندوں کی جائے رہائش بھی تھی، جنہوں نے اس سلسلہ کو اور آگے بڑھایا۔ خانقاہیں قائم کیں اور اپنے اندر کثرت سے زیادہ جذب و مستی، کیف و سرور، وجد و توجہ، اور سوز و گداز کی کیفیات پیدا کیں۔ کفرستانِ ہند کے اندھیروں کو اسلام کی روشنی سے منوّر کیا، مشرکانہ ذوق کی بجائے توحیدی ذوق کی تخلیق ہوئی اور یہ سلسلہ "چشتی صابری پانی پتی" کے مبارک نام سے متعارف زمانہ ہوا۔

حضرت مولانا نجم الدین سُنامیؒ

آپ سُنام میں پیدا ہوئے اور اسی مقام پر تعلیم و تربیت پائی۔ علم و فضل، زہد و تقویٰ میں اپنے زمانہ کے فرد یگانہ ہوئے، علم تفسیر و حدیث، فقہ و کلام میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ اعلیٰ پایہ کے خطیب تھے۔ علمِ دین کی خاطر ہر قربانی اور ایثار کے لئے تیار رہتے۔ طلباء کی ایک بڑی تعداد آپ کے زیرِ تعلیم و مطالعہ رہتی اور ہزاروں طلباء

علمِ دین سے مالامال ہوئے۔ عموماً "تفسیر عمدہ" ہمیشہ آپ کے زیرِ مطالعہ رہتی۔

حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاءؒ[۳۸] سے منقول ہے کہ میں نے مولانا صدرالدین قونویؒ سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ میں مولانا نجم الدین سُنامیؒ کے پاس تھا۔ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کس کام میں مشغول رہتے ہو۔ میں نے کہا کہ تفسیر کے مطالعہ میں۔ کہا کونسی تفسیر؟ میں نے کہا کشاف، ایجاز اور عمدہ۔ مولانا نجم الدینؒ نے کہا "کشاف وایجاز" دونوں کو جلادو۔ صرف "عمدہ" دیکھو۔ مولانا صدرالدینؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ ایسا کیوں کہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ حضرت شیخ بہاؤالدینؒ نے ایسا ہی کہا ہے۔ مولانا صدرالدینؒ نے کہا کہ مجھے یہ بات ناگوار ہوئی۔ جب رات ہوئی تو میں ان تینوں کتابوں کو چراغ کی روشنی میں دیکھ رہا تھا۔ "ایجاز وکشاف" دونوں نیچے تھیں اور "عمدہ" ان دونوں کتابوں کے اوپر، اسی دوران میں سوگیا۔ ایک شعلہ پیدا ہوا۔ کشاف وایجاز دونوں جل گئیں۔ "عمدہ" سلامت[۳۹] رہی۔

علاقہ سُنام اور اس کے گرد و نواح کی بستیوں کی زمین فیروز شاہی نہر کے جاری ہونے کے سبب سرسبز وشاداب ہوگئیں۔ ویران اور وحشت ناک جنگل سرسبز کھیتوں کی طرح لہراتے ہوئے نظر آنے لگا۔ غلہ کی فراوانی ہوگئی۔ لوگ خوشحال ہوگئے۔ مگر امیر تیمور کے حملہ نے اہالیانِ سُنام کی خوشحالی کو بدحالی میں تبدیل کردیا۔ بقول مورخین "آمدند، سوختند، کشتند، بردند و رفتند،" علاقہ سُنام سے جلد ہی دیپال پور کا رُخ کیا اور یہ علاقہ تیمور کی مزید تباہی سے بچ گیا۔ کچھ عرصہ گذر جانے کے بعد بہلول لودھی نے لاہور، دیپالپور اور حصار پر قبضہ کرنے کے بعد سُنام پر بھی قابض ہوگیا۔

عہدِ مغلیہ میں سُنام پُر رونق تھا اور تجارتی مرکز بن چکا تھا۔ ایران۔خراسان۔غزنی اور سرحدی قافلوں کی گذرگاہ بھی تھی۔ اکبر بادشاہ کے زمانہ میں سُنام سرہند کا پرگنہ قرار دیا گیا۔ درس وتدریس کا اہم مرکز ہوا۔ علوم اسلامیہ نے ترقی پائی۔

آئینِ اکبری میں درج ہے کہ اکبر کے زمانہ میں سرہند کی سرکار کے تحت ذیل درج ۹ پرگنے تھے جن میں سُنام بھی شامل تھا[۴۰] (۱) سمانہ (سامانہ) (۲) سُنام (۳)

منصور پور (۴) مال پتر (۵) باپڑی (۶) پونڈری (۷) فتح پور (۸) بھٹنڈہ (۹) ماچھی واڑہ
علاقہ سنام کا رقبہ ۹۰۸۵۶۲ بیگ (بیگھے) مالگذاری، ۶۹۶، ۰۷، ۰۰ دام،
فوج مقررہ کی تعداد ۵۰۰ سوار اور ۲۰۰۰ پیادہ تھی۔ ان کے علاوہ ایک قلعہ چھوٹی اینٹ سے
بھی تعمیر تھا۔ جس میں لوگ بکثرت آباد تھے۔

سنام کا جنگل شیر کے شکار کے لئے بہت مشہور تھا۔ آئین اکبری میں مرقوم ہے
کہ اکبر بادشاہ شیر کے شکار کی غرض سے کئی بار سنام[۴۱] آیا۔ مساجد اور مزارات کے اخراجات
کے لئے چند گاؤں بھی وقف کئے تاکہ ان کی آمدن سے درس گاہوں اور مساجد کی تعمیر و
مرمت اور آرائش و زیبائش آئمہ و خطبہا کا گزارہ ہو سکے۔

جہانگیر کے زمانہ میں سنام پُرامن تھا۔ رعایا خوشحال تھی۔ زندگی میں چہل پہل تھی۔
تجارت اور زراعت نے ترقی کی ہوئی تھی اور فوجی مرکز ہونے کے باعث اس مقام کو
خاصی اہمیت تھی۔ ملا عبدالکریم سنامی اس دور کی نمایاں شخصیت ہیں۔

ملا عبدالکریم سنامیؒ

آپ علوم ظاہر و باطنی، کمالات صوری و معنوی،
زہد و ورع، تقویٰ و عبادت اور اتباع سنت و
شریعت میں یگانہ وقت تھے۔ خلیق، مہمان نواز اور صاحب دل تھے۔ فقہ، حدیث
اور تفسیر میں بھی ماہر تھے۔ آپ سنام میں پیدا ہوئے اور سنام میں تعلیم و تربیت پائی۔
تحصیل علم کے بعد سنام میں ہی درس و تدریس اور اشاعت اسلام میں مشغول ہو گئے۔

حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ کے ساتھ مسائل شریعت و طریقت کے بارے
اکثر مراسلت رہتی تھی۔ حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ اپنے ایک مکتوب[۴۲] میں ان کو
لکھتے ہیں کہ پہلے اہل سنت و جماعت کی کلامیہ (عقائد کی) کتابوں کے موافق اپنے عقائد
کو درست کریں۔ پھر احکام فقہیہ یعنی فرض و واجب و سنت و مستحب و حلال و حرام و مکروہ
و مشتبہ علمی اور عملی طور پر بجا لائیں۔ اس کے بعد لازم ہے کہ ماسوائے حق کی گرفتاری سے
اپنے دل کو سلامت رکھیں اور دل کی سلامتی اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ دل
میں ماسوائے حق کا گزر نہ رہے۔ اس دولت عظمیٰ تک پہنچنے کے لئے زیادہ قریب راستہ

طریقہ علیہ نقشبندیہ قدس سرہم کا طریق ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں نے اپنی سیر کی ابتدا عالم امر سے کی ہے اور قلب سے قلب کے پھرنے والے یعنی خدا کی طرف راستہ لے گئے ہیں۔ انہوں نے دوسروں کی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بجائے سنّت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے کنارہ کشی اختیار کی ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ سب طریقوں سے زیادہ قریب ہے لیکن سنّت کو لازم پکڑنا بہت مشکل کام ہے۔

شاہ جہاں کے عہد میں علم و ادب نے بہت ترقی کی اور بادشاہ نے بھی دل کھول کر اہل علم کو نوازہ۔ جابجا مدارس قائم ہوئے اور تعلیم عام ہو گئی۔ مولانا آزاد بلگرامی نے اپنی تصنیف "مآثر الکرام" میں اس دور کی علمی حالت درج ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

"شرفاء نے اپنے اپنے علاقوں میں مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں تعمیر کرائی ہوئی تھیں۔ ان مدرسوں کے ہر جگہ طالب علموں کے لئے دروازے کھلے تھے اور ہر مدرسہ کے دروازے پر یہ قطعات آویزاں تھے۔ علم کے طلب کرنے والو! ادھر آؤ! طالب علم جوق در جوق مدارس میں آتے اور جہاں چاہتے آزادانہ تعلیم حاصل کرتے، لوگ طالب علموں کی حوصلہ افزائی کرتے، خدمت کرتے، اور اس خدمت کو سعادت دارین کا ذریعہ خیال کرتے تھے۔"

ان کے علاوہ اہل دل جنہوں نے اصلاح فکر اور پاکیزگی نفس کے لئے جو کچھ کہا مدرسہ میں نہیں کہا اور نہ کسی منبر پر کھڑے ہو کر بیان کیا۔ بلکہ خانقاہوں اور حجروں میں بوریہ پر بیٹھ کر صرف چند لوگوں کے حلقوں میں کہا اور رشد و ہدایت سے ان کے دلوں کو عرفان کی روشنی بخشی۔ شاہ جہانی دور میں ان لوگوں میں حضرت میاں میرؒ[۴۳] کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔ جن کی بدولت حلقہ ارادت والوں کا وسیع ہوتا گیا۔ عرفان کی روشنی پھیلتی گئی۔ ہدایت کے چشمے روز بروز پھوٹتے رہے اور اسلام کے جلیل القدر فرزندوں نے پرورش پائی۔ آپ کے عقیدت مندوں میں ایک مرید شیخ احمد[۴۴] بھی تھے۔ جس کی روحانی ضیاؤں نے علاقہ سنام کو اسلام کی روشنی سے منوّر کیا۔

شیخ احمد سُناجی رح

آپ سُنام میں پیدا ہوئے اور وہاں ہی پرورش پائی۔ جب جوان ہوئے حضرت میاں میرؒ کے مرید ہوئے اور خرقہ خلافت پایا۔ آپ عالم باعمل، عارف کامل، شیخ باوقار، صاحب فقر و انکسار تھے۔ علوم باطنی کی تحصیل حضرت میاں جیوؒ (میاں میرؒ) کی خدمت میں رہ کر کی۔ متعدد ریاضتیں اور مجاہدے کئے۔ ترک و تجرید اور تفرید و توکل میں بلند مقام رکھتے تھے۔ اوائل حال میں جب آپ پہاڑوں میں جاتے تو تیس چالیس دن تک مشغول حق رہتے۔ اس وقت ان کے پاس کھانے پینے کے لئے کچھ نہیں ہوتا تھا۔ آپ ہمیشہ پیدل چلتے تھے۔ کبھی کبھی شہر لاہور میں آجاتے تھے۔ شہر یا کسی اور مقام پر مستقل طور پر قیام نہ کرتے تھے۔ آپ کا کوئی گھر یا ٹھکانا نہیں تھا۔ جہاں پہنچتے وہاں چند روز سکونت رکھتے۔ پھر کسی دوسری طرف کو چل دیتے تھے۔ شاہزادہ داراشکوہ تحریر کرتے ہیں:۔

> "فقیر (داراشکوہ) نے انہیں دوبار دیکھا ہے۔ بہت کم بولتے ہیں۔ اکثر خاموش رہتے ہیں۔ لوگوں کے میل جول کو پسند نہیں کرتے۔ شیخ احمد دہلوی آپ کے بہت عقیدت مند ہیں یہ دونوں اکثر اکٹھے رہتے ہیں[۲۵]۔"

سُنام کا یہ بے لوث صوفی بروز جمعہ ۱۱ ماہ شعبان ۱۰۵۹ھ/۱۶۴۹ء کو اپنے حقیقی خالق سے جا ملے۔

حضرت شیخ محمد عابد سُنامی رح

آپ حضرت شیخ عبدالاحد وحدت المعروف بہ "شاہ گل" قدس سرہٗ فرزند پنجم حضرت خازن الرحمۃ شیخ محمد سعیدؒ فرزند ثانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلفاء نامدار سے ہیں۔ آپ راسخ العقیدہ حنفی، فقہ حنفی پر بڑا اعتماد و یقین رکھنے والے، مقلد صوفی، عارف و کامل بزرگ تھے۔ آپ سُنام میں پیدا ہوئے یہاں ہی تعلیم و تربیت پائی۔ شیخ محمد عابد سُنامی کے نام سے معروف ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک منتہی ہوتا ہے۔ آپ نہایت کثیر الذکر اور کثیر العبادت صوفی تھے۔ نماز تہجد میں ساٹھ مرتبہ سورہ یٰسین شریف پڑھا کرتے تھے۔ اور ہر دوگانہ کے بعد طویل مراقبہ فرماتے۔ غرضیکہ نصف

Marfat.com

شب سے صبح تک یاد مولےٰ میں گذارتے۔ آخری عمر میں مرض اسہال میں مبتلا ہوئے اور ۱۸ رمضان المبارک ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء میں وفات پائی۔ چند سال سرہند شریف میں قیام کیا پھر آخری عمر میں دہلی چلے گئے۔ دہلی میں سبزی منڈی سے چند میل آگے کرنال والی سڑک پر مزار مبارک واقع ہے۔

حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید قدس سرہٗ پورے گیارہ سال آپ کی خدمت میں رہے۔ حضرت شیخ محمد عابد سنامیؒ کی وفات کے بعد آپ نے مسندِ خلافت کو زینت بخشی۔ ابتداء میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ آپ سے اخذ فیض ہوئے۔ بعد ازاں ان کے ایماء سے حضرت مظہر جان جاناں شہیدؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر کسب فیوض ہوئے[۴۶]۔ اہلِ سنام آپ کا بہت احترام کرتے تھے اور حلقہ ارادت میں شامل تھے۔ آپ اپنے مریدوں پر بے حد شفقت و عنایت فرماتے تھے۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کو فروغ دیا اور سلوکِ مجددیہ سے اپنے مریدین و عقیدت مندوں کو آگاہ کیا۔ آپ نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات میں سے چالیس مکاتیب شریفہ کا انتخاب کیا تھا جس پر عربی میں مولوی نعیم اللہ بڑاپچی مرید و خلیفہ حضرت مرزا مظہرؒ نے دیباچہ لکھا۔ چہل مکتوبات کا ایک خطی نسخہ ذخیرہ حافظ محمود شیرانیؒ کتاب خانہ دانش پنجاب لاہور نمبر ۸۶۸ / ۳۹۰۱ میں موجود ہے۔

جناب بے نوا

مغلیہ خاندان کے آخری دور میں ایک شاعر جس کا تخلص "بے نوا" تھا سنام میں پیدا ہوا، بچپن اور نوجوانی سنام میں گزری پھر بادشاہ محمد شاہ کے ابتدائی دور میں سنام سے دہلی چلا گیا۔ باقی ماندہ زندگی وہاں بسر کی۔ بحیثیت شاعر آپ کو عوام میں بہت مقبولیت حاصل تھی۔ آپ کا ذکر ذیل درج کتابوں میں اکثر ملتا ہے۔ نکات الشعراء، مخزن نکات، طبقات الشعراء، تذکرہ سید حسن، چمنستان الشعراء اور گلزارِ ابراہیم اس دور کا ایک مشہور اردو شاعر مبارک آبرو سے آپ کے گہرے مراسم تھے۔ آپ کی ایک تاریخی مخمس "در ندمت طرہ بازخاں" عوام میں آپ کی زندگی میں بہت مقبول ہو چکی تھی۔

مذکورہ بالا بیانات و اقتباسات کی روشنی میں یہ بات بلا تردید کہی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

کہ سُنام ایک قدیم، اہم و پُر رونق مقام تھا۔ جو علماء فضلا اور صلحاؑ کی جائے پناہ تھا۔ قدیم، مذہبی، روحانی اور تمدنی تاریخ کی نشان دہی کرتا ہے۔ جیّد علماءِ حق پرست اولیاء، خدا رسیدہ بزرگ، انصاف پسند قاضی، بلند کردار مبلّغ، دانش مند محققین، شیریں سخن خطیب، ہر دلعزیز شعراء کے علاوہ یہاں کی دیانت دار عوام، محنتی کاشتکار اور کامیاب صنعت کار بڑی تعداد میں ہوئے جو فخر البلاد بنے اور علم و ہنر کی مشعلیں روشن کیں۔ ان سے قوم کے بجھے ہوئے چراغ صدیوں تک روشنی حاصل کرتے رہے۔

سُنام کے موجودہ مزارات کے بوسیدہ آثار اسلامی ثقافت اور گذشتہ تاریخ کا اب بھی عکس پیش کرتے ہیں۔ اپنی گذشتہ عظمت و شوکت اور پے در پے انقلابات کا بھی پتہ دیتے ہیں، مزار حضرت خواجہ سیّد محمود بنویؒ المعروف بہ پیر بتا بنوی کے علاوہ حضرت قاضی معز الدین المعروف بہ پیر قاضی معاضیؒ، پیر نبی بخشؒ، پیر سیّد حاکمؒ پیر سیّد برہنہؒ، پیر شاہ شرف دینؒ، پیر شاہ بلاقیؒ، پیر چنگی شاہؒ، مائی نور بی بیؒ، چبوترہ بابا فرید گنج شکرؒ اور گنج شہیداں قابلِ دید اور قابلِ ذکر مقامات ہیں۔ اولیائے سُنام کے موضوع پر مزید تحقیقات اور تجسّس کی گنجائش اب بھی موجود ہے۔

متذکرہ اولیاء کرام کی روشن زندگی کے چند دُھندلے نشانات اُس انسان کے لئے خضرِ راہ ہیں جو اس معمولی سی بنیاد پر اپنے وسیع علم و فضل کی بدولت ایک عالیشان اور فلک بوس عمارت تیار کر سکتا ہو۔ یہ میری حوصلہ افزائی ہوگی۔

وما توفیقی الا باللّٰہ

Marfat.com

باب - ۶

سُنام میں آپ کی تبلیغی مساعی اور اشاعتِ اسلام

اسلام کا بے لوث اور مخلص مبلّغ جن کو ہم عُرفِ عام میں صوفی یا اولیاء اللہ کہتے ہیں۔ اپنے مختصر سے قافلے کے ساتھ وسطِ ایشیا سے گزر کر برصغیر پاک و ہند کی شمالی مغربی سرحدوں کو عبور کرتا ہوا سرزمینِ سُنام میں داخل ہوا۔ یہ قافلہ ہر قسم کے خوف و خطر سے بے نیاز تھا۔ رضائے الٰہی ان کا مقصد اور نصب العین تھا، اپنے گھر بار اور وطن کو خیرباد کہا اور خدا کے راستے میں اپنے جان و مال سے جہاد کیا۔ پس اللہ تعالےٰ کے ہاں ان کا بہت بڑا درجہ ہے اور وہی کامیاب و کامران ہونے والے ہیں۔ ان کا ربّ انہیں خوش خبری سُناتا ہے کہ انکی قربانیوں کے عوض میری رحمت اور رضا ہے۔

جس دُور میں حضرت خواجہ سیّد محمود بنوی سُنام میں تشریف لائے۔ اُس وقت شمالی ہند (پنجاب) کے حالات انتہائی ناگفتہ بہ تھے۔ سلطنت غزنویہ کافی حد تک زوال کا شکار ہو رہی تھی۔ اخلاقی حالت انتہائی زبوں تھی۔ فکر و عمل، اخلاق و عادات، کردار و اطوار سب پر انحطاطی رنگ چھا رہا تھا۔ سلجوقی خاندان کے ظہور نے بھی غزنی کے امن و سکون کو درہم برہم کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ ہندو راجاؤں نے غزنوی سلطنت کو مکمل طور پر تباہ کرنے کی تحریک شروع کر رکھی تھی۔ مسلمان سیاسی و معاشی طور پر مفلوج تھے۔ ان کی خاصی مقدار شمالی ہند (پنجاب) کے مختلف حصّوں میں آباد ہو چکی تھی۔ ان میں غازیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو عالمِ اسلام کے مختلف گوشوں سے محض جہاد کا ثواب حاصل کرنے کی خاطر غزنوی لشکر میں آن شامل ہوئے تھے۔ ان غازیوں کو مستقل لشکر کی طرح

Marfat.com

تنخواہ نہیں ملتی تھی البتہ کسی وقت اسلحہ مل جاتا تھا۔ یہ غازی صرف مالِ غنیمت پر گزر بسر کرتے تھے۔

شمالی ہند (پنجاب) میں مختلف عقائد کے لوگ آباد تھے۔ سُنام کے لوگ زیادہ ویدک دھرم کے پجاری تھے۔ "کتاب الہند" کے مترجم ایڈورڈ۔ سی۔ زخاؤ (لندن ۱۸۸۷ء) اپنے پیش لفظ میں بیان کرتے ہیں کہ گیارہویں صدی عیسوی کے نصف اول میں وسطی ایشیا، خراسان، افغانستان اور شمال مغربی ہندوستان میں بدھ مت کے تمام آثار مٹ چکے تھے۔ ای سی زخاؤ کے اس خیال کی تصدیق حضرت سید علی ہجویریؒ کی شہرۂ آفاق کتاب "کشف المحجوب" سے بھی ہوتی ہے۔ جس کے مطابق غزنوی دور میں بدھ مت صرف تبت اور چین میں ہی رہ گیا تھا۔

آپ کا مشن صرف غیر مسلم کو مسلمان بنانا ہی مقصود نہیں تھا۔ بلکہ ان کی اصلاح بھی ضروری تھی۔ ان گمراہی کے اندھیروں میں آپ ہدایت کا نور تھے۔ صاحبِ ولایت اور قطبِ زمانہ ہونے کے علاوہ آپ عالم اور حافظِ قرآن بھی تھے۔ مجاہدات اور ریاضات میں بے مثل تھے۔ سنت رسول مقبولؐ کے سخت پابند تھے۔ رات کو جاگتے اور عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ تلاوتِ قرآنِ پاک آپ کا خاص مشغلہ تھا۔ توکل و قناعت میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ کو سکونِ قلب اور استغراق کے لئے گوشہ نشینی بے حد پسند تھی، علاقہ سُنام سے باہر درختوں کے جھنڈ میں ڈیرہ جما لیا۔

سُنام کے باسی بڑے بد اعتقاد اور تند مزاج تھے۔ ان غریب الوطن مسافروں کی آمد پر کسی قسم کی توجہ نہ دی بلکہ انتہائی بے رُخی سے کام لیا۔ غزنی حکمرانوں کی پالیسی کے نتیجے میں شمالی ہند (پنجاب) اور ہندوستان کے غیر مسلموں نے اسلام کی آواز سننے سے پہلے ہی اسلام کو مسترد کر دیا تھا اور مسلمانوں سے نفرت کرتے تھے۔ غزنی کے حکمرانوں نے گھوڑوں کی ٹاپوں سے سارے ہندوستان کو روند ڈالا۔ مگر اسلام مقامی لوگوں کے دلوں میں راسخ نہ ہو سکا۔ آپ نے اور آپ کے پیشواؤں و مریدوں نے اس کفرستان میں تلوار کی بجائے سیرت و کردار کی زبان سے تبلیغ کی، لوگوں کے دلوں کو مسخر کیا۔ کچھ نئی نئی بستیاں معرضِ وجود میں آئیں اور کافی مقدار

Marfat.com

میں لوگ مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ عرصہ قلیل میں اسلام سُنام اور اس کے گرد و نواح کی بستیوں میں پھیل گیا۔ آپ وعظ فرماتے۔ آپ کی زبان میں وہ تاثیر تھی کہ لوگ پروانوں کی طرح کھچے چلے آتے تھے۔ اور وعظوں سے متاثر ہو کر کلمہ توحید پڑھتے اور اسلام پر ایمان لائے واپس نہ جاتے تھے۔ یہ کام آپ کی شیریں گفتار اور میٹھے بول نے انجام دیا۔

حضرت خواجہ سید محمود بنوی صاحب ولایت تھے۔ آپ کی جملہ کرامتوں میں سب سے بڑی کرامت آپ کی سیرت، آپ کا کردار، آپ کی محبت و شفقت اور پابندِ شریعت شخصیت تھی۔ آپ علمی اور روحانی دونوں قوتوں سے سرفراز تھے۔ حریت، اخوت اور مساوات کے اسلامی اصولوں کے عملاً علمبردار تھے۔ خدمتِ خلق اور تعمیرِ انسانیت کے جذبہ سے سرشار ہو کر دعوت و ارشاد کا عظیم کارنامہ انجام دیا، لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اور آپ کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر اسلام کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوتے چلے گئے۔ آپ نے حقیر، ظلم و ستم کے شکار اور دھتکارے ہوئے انسانوں کو بڑے محبت بھرے انداز میں سینے سے لگایا اور توحید کا پیغام دیا۔ شب و روز کی جدوجہد سے آپ نے کفرستان کو نورِ اسلام سے منور کیا۔

جُوں جُوں وقت گزرتا گیا۔ آپ کے عقیدت مندوں اور مریدوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور ارشاد و تلقین کا سلسلہ بھی وسیع ہوتا گیا۔ شمالی ہند (پنجاب) خاص کر خطہ سُنام میں سینکڑوں انسانوں نے آپ سے ہدایت پائی۔

عوام کی اصلاح کے لئے اپنے خلفاء کو جنہوں نے آپ کی خانقاہ میں تعلیم و تربیت حاصل کی ہوئی تھی۔ شمالی ہند (پنجاب) کے مختلف حصوں میں پھیل جانے کے احکام صادر کئے۔ پھر ان مبلغین نے رشد و ہدایت کی شمع کو روشن کیا۔ امانت، دیانت، محنت و شفقت اور خوش باشی کے ماحول سے مقامی باشندوں کے دل جیت لئے اور لوگ جوق در جوق حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

ان ہی اکابرِ دین نے اسلام اور عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کے قلوب و اذہان کو مالامال کیا۔ اسی سرزمین میں اسلام کے جلیل القدر فرزندوں نے پرورش پائی

اور اسلامی علوم وفنون کے چشمے پھوٹے جنہوں نے خطہ پاک و ہند کو سیراب کیا۔ مگر تاریخ کے اوراق اس دور کے مبلغین کے اسمائے گرامی اور ان کی تبلیغی سرگرمیوں کے بارے خاموش ہیں اور اس ضمن میں تذکرہ نویسوں کے بیانات بھی مختلف اور متضاد ہیں۔

باب ۷

آپ کے بعض خوارق وکرامات

قریۂ "بنو" کا بے لوث، مخلص اور عظیم مبلغ جو موضوع تحقیق ہے اللہ کے حکم سے عہدِ غزنوی میں تبلیغی مشن کو لے کر سرزمینِ سُنام میں داخل ہوا۔ آپ کے شیریں گفتار وعظوں اور درس وتدریس نے لوگوں کو اتنا متاثر کیا کہ اہالیانِ سُنام آپ کے گرویدہ ہوگئے اور تذکرہ نگاروں نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ آپ عوام کی راہنمائی اور ہدایت میں یکتائے زمانہ تھے۔

آپ کے خوارق وکرامات حد وحساب سے باہر ہیں۔ بوجہ خوف طوالت صرف آپ کی چند کرامتیں بیان کی جاتی ہیں۔ حضرت خواجہ سید محمود بنوی نے سُنام کے جنگلوں میں قیام کیا۔ ایک سایہ دار درخت کے نیچے استراحت فرمائی اور اسی مقام پر عبادتِ خداوندی میں مشغول رہتے۔ ایک صبح جب آپ نے عبادتِ الٰہی سے فراغت پائی اور حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے تو چند بچے کھیلتے کودتے آپ کے پاس آئے۔ خاموش ہو کر کھڑے ہوگئے۔ آپ نے ان کو بیٹھ جانے کو فرمایا۔ بچے ادب سے بیٹھ گئے اور سارا دن بغیر کسی شرارت کے خاموش بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ شام ہوگئی۔ یہ بچے آپ کی مہر وشفقت اور شیریں گفتار سے اس قدر متاثر ہوئے کہ گھر واپس جانے سے انکار کر دیا۔

Marfat.com

آخر راجہ جیتو جو کہ ایک جابر جاگیر دار حاکم تھا۔ اس کے کانوں تک یہ بات پہنچی کہ ان دنوں اس بستی میں ایک فقیر آیا ہوا ہے۔ بچے ان سے مانوس ہو گئے ہیں اور اس نے ان بچوں پر جادو اثر کیا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے کھیل کود کو بھی بھلا کر فقیر کی صحبت اختیار کر رکھی ہے۔ راجہ نے حکم دیا کہ اگر کوئی بچہ فوراً گھر واپس نہ آیا تو اس کا مغز کھوپڑی سے نکال دیا جائے گا۔ جب بچوں نے اس حاکم کا حکم سُنا سب کے سب اس کے پاس آئے۔ حاکم نے غصہ میں کہا اگر تم سب لوگ باز نہ آئے تو میں سب کو اور اس فقیر کو سخت سزا دوں گا۔ اس حکم سے بچے بھڑک اُٹھے اور جان کی قربانی دینے کو تیار ہو گئے۔ خاصی تکرار کے بعد حاکم خاموش ہو گیا اور کہا اگر تمہارا فقیر سچا ہے تو میں برص کے مرض میں مبتلا ہوں مجھے وہ تندرست کر دے۔ اس میں اس کی اور آپ کی رہائی ہے۔ ورنہ سب کو قتل کر دیا جائے گا۔ بچے یہ پیغام لے کر فقیر کے پاس آئے اور حالات سے آگاہ کیا۔ حضرت خواجہ محمود بنوئیؒ نے اپنے وضو کا پانی حاکم کے بدن پر ملنے کو دیا اور بفضلِ ایزدی جسم پر ملتے ہی اس کا برص کا مرض جاتا رہا۔ اور راجہ اتنا متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا۔ پھر سُنام میں اشاعت دین اسلام کی راہ کافی سہل ہو گئی۔ ہر روز آپ بستی سُنام میں پھرتے اور جب بھی موقع ملتا لوگوں کو اکٹھا کر کے اسلام کی دعوت دیتے۔ باوجود تکلیفوں اور مشکلات کے آپ اپنے مشن میں آگے بڑھتے رہے اور اکثر لوگ آپ کے روحانی فیوض و کرامات سے بہرہ یاب ہوئے۔ ہندوؤں کا پانی سے شفا یاب ہونا اور بہت سی پرانی بیماریوں کا آپ کی دعا برکت سے ٹلنا آپ کی معروفیت کا سبب بنا۔ لوگ جوق در جوق آپ کے پاس آتے اکتساب فیض ہوتے اور حلقہ ارادت میں شامل ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

تاریخوں کے مطالعہ سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کس مسجد میں درس و وعظ فرمایا کرتے اور وہ مسجد کس مقام پر تعمیر تھی البتہ امپیریل گزیٹر آف انڈیا مطبوعہ ۱۹۰۸ء میں مرقوم ہے [۲]

"AT SUNAM ARE THE REMAINS OF THE OLDEST MOSQUE IN INDIA"

Marfat.com

ہندوستان میں سب سے پرانی مسجد کے نشانات سُنام میں ملتے ہیں۔"

مذکورہ سرکاری اور قابلِ اعتماد دستاویز سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ سُنام میں ایک بہت پرانی مسجد کے نشانات بھی ملتے ہیں مگر مکانات قائم نہیں ہیں ہم کہہ سکتے ہیں یہ پرانی مسجد خواجہ سید محمود بنوئیؒ کی تعمیر کردہ ہوگی، جس میں آپ وعظ فرمایا کرتے ہوں گے اور اس کے ساتھ آپکی خانقاہ اور پانی کا کنواں بھی ہوگا۔ بلاشبہ یہ سرکاری بیان اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا ہے جسے اِس شہر کا سروے اور اس کی رپورٹ ثابت کرتی ہے۔

اجڑے دیاروں اور مدفون کھنڈرات کا یہ عظیم تودہ زمین آج سے تقریباً ۹۰۰ سال قبل سُنام میں ایک پرانی مسجد کی نشاندہی کرتا ہے جو اس ظلمت کدہ کفر میں توحید اور گذشتہ دور کی اسلامی عظمت اور شان و شوکت کی یاد تازہ کرتا ہے۔

ڈاکٹر نرلش صاحب چنڈی گڑھ[۳] (بھارت) مقالہ "درگاہ حضرت محمود بنوئی سُنام" میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت خواجہ محمود بنوئیؒ کی درگاہ کے ساتھ آج بھی ایک ہزار بیگھے زمین وقف ہے تاکہ ان کی آمدن سے درسگاہوں اور مساجد کی تعمیر و مرمت اور آرائش و زیبائش، آئمہ و خطبہا کا گزارہ ہو سکے۔ زائرین اور عقیدت مندوں کی سہولت کے مناسب اور معقول انتظامات کئے جا سکیں۔ مسلمانوں سے بڑھ چڑھ کر ہندو اور سکھ اس مزار کے عقیدت مند ہیں اور حاضری دیتے ہیں۔ ان لوگوں کا عقیدہ (وشواس) ہے کہ حضرت کے مزار سے دو پتھر (روڑے) اُٹھا کر اسے پانی میں ڈبو کر اس پانی کو پی لیا جائے تو بیمار انسان بیماری سے شفا پاتا ہے۔ اسلامی ماہ ذیقعد کی ۲۶، ۲۷ تاریخ کو آپ کا سالانہ عرس منایا جاتا ہے۔ قبروں کو غسل دیا جاتا ہے۔ جس کا پانی لوگ تبرک کے طور پر اپنے اپنے گھروں کو لے جاتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں۔ بعد ازاں حضرت خواجہؒ کے سالانہ ختم کی رسم ادا کی جاتی ہے اور مختلف حضرات کو مختلف ذمہ داریاں سونپ دی جاتی ہیں جو اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

باب ۸

وصال شریف اور مزار مبارک

معروف و مقبول قول کے مطابق آپ نے جمعرات کے روز اٹھائیس (۲۸) ذیقعدہ ۵۱۵ھ[1] سُنام میں وفات پائی اور حضرت خواجہؒ کی تجہیز و تکفین کی خدمات آپ کے بھائی سیّد احمد سعیدؒ جو اس وقت تبلیغی سلسلہ میں آپ کے ہمراہ تھے انجام دیں اور گنج شہیداں کے نزدیک آپ کو دفن کیا گیا جو موجودہ سُنام کے سرکاری شفاخانہ کے جنوب مغربی کونے کی جانب واقع ہے۔

مقبرہ کی ڈیوڑھی گذر جانے کے بعد ایک میدان میں آپ کا مزار ہے جس پر ایک خوبصورت چھت واقع ہے۔ اس کے گرداگرد ایک پختہ چار دیواری ہے۔ یہ چار دیواری چھوٹی اینٹوں سے تعمیر ہے۔ بیان کرتے ہیں چاروں گوشوں پر چار چھوٹے چھوٹے مینار تھے جو گر چکے ہیں مگر ان کے نشانات اب نظر نہیں آتے ہیں۔ داخل ہونے کیلئے ایک صدر دروازہ اور وسیع ڈیوڑھی تعمیر ہے جو سادہ اور بیل دار اینٹوں سے مزین ہے۔ دیواروں میں مختلف قسم کی اینٹیں جو دیدہ زیب تھیں استعمال ہوئی نظر آتی ہیں مستطیل، مربع، پھولدار اور سادہ جن کی عمدگی، خوبصورتی اور کاریگری قابلِ تعریف ہے۔

آپ کا مقبرہ اسلامی تہذیب و تمدن اور ماضی کی تاریخ کا آئینہ دار ہے جو تعمیر کے اعتبار سے (INDO-AFGHAN) یعنی افغان و ہند فنِ تعمیر کا مخلوط نمونہ پیش کرتا ہے۔ مزار کے گرد و نواح اور صحن کے شمال مغربی جانب چند پرانی ٹوٹی پھوٹی قبور بھی نظر آتی ہیں جن کے اسمائے گرامی اب تک نامعلوم ہیں۔

اس خانقاہ کا رقبہ ۲ دو بیگھے[2] ہے۔ خانقاہ کے پاس ایک جانب مسجد، چاہ، غسلخانہ مستفادہ بھی ہے۔ دوسری جانب طالبانِ علم، مریدین اور مسافروں کے رہنے کے لئے چند حُجرے اور مسافر خانے بھی ہیں اور مغرب کی جانب ایک لمبی سرنگ کے نشانات بھی ملتے

ہیں۔ مسجد کے سامنے سبز رنگ کی ایک چار دیواری ہے جس میں حضرت خواجہ سید محمود نوریؒ کے جانشین حضرت خواجہ نور محمدؒ کا مزار ہے جس کے اوپر ایک چھتری بنی ہوئی ہے اور اس کے نزدیک ایک تالاب بھی ہے جو اب بالکل خشک اور برباد ہے۔ مسجد سے چند قدم آگے ایک مقام پر حضرت خواجہ کے خاندان کے افراد کی قبریں بیان کی جاتی ہیں جنکے آثار تقریباً اب مٹ چکے ہیں۔ متذکرہ مسجد چھوٹی اینٹوں سے تعمیر ہے۔ اس کی دیواریں اب سبز رنگ کی ہیں اور کوئی مینار نہیں۔ مسجد کی پیشانی پر سب سے اوپر ایک کتابہ نظر آتا ہے جس پر درج ذیل غیر منقش قرآنی آیات جلی حروف میں خطِ اسلامی میں کندہ ہے "نصر من اللّٰہ و فتح قریب" یہ خطِ اسلامی اُس دور میں صرف قرآنی مخطوطات اور عماراتی کتبات تک محدود تھا۔ کتابہ پر کاتب کا نام درج نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کاتب شہرت کا خواہش مند نہ ہو اور اس سنگی تحریر کو ثوابِ دارین سمجھ کر انجام دیا ہو۔

تحقیق سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جب مسلم مجاہدین غیر مسلم علاقوں کو فتح کرتے اور ان کے شہروں اور قصبوں میں رہائش پذیر ہوتے تو سب سے پہلے مساجد اور پختہ کنوئیں تعمیر کرواتے پھر درس گاہوں اور رہائشی مکانات کی بنیاد رکھتے۔ مساجد اور درس گاہوں کی پیشانی کو کتبات سے مزین کرتے جن پر قرآنی آیات ثبت ہوتیں جو اُس دور میں جہاد کے مفہوم کو ادا کرتیں۔ بعض کتبات پر قرآنی آیات کے علاوہ عمارت کا سنِ تعمیر اور کاتب کا نام بھی پایا جاتا ہے۔ اس دور میں شمالی ہند (پنجاب) میں قرآن کریم بھی لکھے گئے۔ جن سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہاں کے مقامی لوگ کتابت کے فن سے متعارف ہو چکے تھے اور صوفیائے کرام جو یہاں تبلیغی رول ادا کر رہے تھے، نے اپنے ملفوظات و ہدایات کو تحریری طور پر مختلف علاقوں تک پہنچایا جس کے سبب اشاعتِ اسلام میں ترقی ہوئی اور تصوف نے فروغ پایا۔ اس ضمن میں حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ کا نام سرِفہرست ہے۔ جنہوں نے یہاں رشد و ہدایت کا آغاز درس و تدریس کے ساتھ تحریر سے بھی انجام دیا اور اپنی مشہور کتاب فارسی زبان میں "کشف المحجوب"

لاہور میں لکھی، ان قلمی ہدایات کو مختلف شہروں میں تقسیم کیا گیا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ علم کتابت اور فن خوش خطی اُس وقت شمالی ہند (پنجاب) میں رائج ہوئے نظر آتے ہیں۔ مصادر اور ماخذ کی کمی کے باعث اس مقام کی ثقافتی تاریخ بڑی حد تک پردہ اخفا میں ہے۔

حضرت خواجہ کے مزار کی عمارت بہت بوسیدہ ہے اور قابلِ مرمت ہے عقیدت مند اور محکمہ آثارِ قدیمہ جو کہ قدیم آثاروں کی حفاظت کا ذمہ دار ہے، اس مزار کی مرمت کی طرف خصوصی توجہ دے تاکہ دورِ غزنوی کا عظیم صوفی اور ولی اللہ جس نے دینِ اسلام کا درس دیا۔ کفرستانِ ضلالت و گمراہی کو قندیلِ ایمان سے جگمگایا اور صراطِ مستقیم پر گامزن کیا، اسلامی مرکز اور قیام گاہ قائم کئے، درویشوں، مسافروں اور طلباء کے لئے لنگر جاری کئے، علم و ہنر کی مشعلیں روشن کیں، عرصہ تقریباً نو سو سال سے محوِ خواب ہیں، کے نشانات محفوظ و مامون ہو جائیں۔

اس خانقاہ کی چار دیواری میں ایک "موری"[۲] بھی ہے جہاں آسیب زدہ مرد، عورتیں، بچے، ہندو، سکھ، مسلمان سبھی آسیب اور جنات کے عمل دخل کو دُور کروانے کی خاطر حاضری دیتے ہیں۔ آسیب زدہ مریض "موری" کے پاس جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ پہلے "موری" کو چومتے ہیں پھر باری باری اپنا سر "موری" کے اندر داخل کرتے ہیں۔ مجاورِ خانقاہ جنہوں نے قوالوں کی چوکی مقرر کر رکھی ہوئی ہے قوالی کرتے ہیں۔ مریض کو اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا گا کر سناتے ہیں۔ پیر صاحب کی کرامت کی برکت سے شفایاب ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد خانقاہ کے مجاور چادر رُخ والہ مٹی کا دیا مریض کو بطور تبرک پیش کرتے ہیں کہ اگر یہ تکالیف پھر عود کر آئے تو اپنے گھر میں اس دیّا کو جلا کر اس کے سامنے بیٹھ جائے۔ پھر پیر صاحبؒ کی خانقاہ اور موری کا تصور کرے۔ دیّا کے جلتے ہی مریض اس سے مرض شفا پائے گا۔ اس عمل میں کتنی سچائی یا توہم پرستی ہے۔ یہ ہماری بحث کا مضمون نہیں ہے چونکہ ایسا عمل وہاں ہوتا ہے جسے بیان کر دیا گیا ہے اِسے پیر صاحبؒ کی کرامتوں میں سے ایک اہم کرامت بیان کرتے ہیں۔

Marfat.com

بلاتردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ صوفیائے عظام جس طرح زندگی میں لوگوں کو اپنے حسنِ اخلاق اور فیضانِ نظر کے ذریعے دینِ حق کے قریب لاتے رہے، قرآنِ کریم اور سنتِ نبویؐ کی تبلیغ و تعمیل کی روشنی سے عالم کو لقعۂ نور بناتے رہے اور اپنے علمی و روحانی فیوض و برکات سے مستفید کرتے رہے۔ اسی طرح ان کی رحلت کے بعد بھی انکا فیض جاری و ساری رہتا ہے اس مزار پر جذبۂ جلالیت واضح طور پر نمایاں ہے۔

متذکرہ عمل کے ابتدائی حالات بہت کم یاب ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ سب سے پہلے یہ عمل کس سے آغاز ہوا اور اس کا موجد کون تھا۔ بہرحال یہ عمل صدیوں سے چلا آرہا ہے جو "موری" پیر صاحبؒ کے نام سے معروف ہے۔

باب ۹

درگاہ عالی کی تولیّت

اس مزار کی تولیت و نگرانی مختلف اوقات میں مختلف حضرات کے سپرد رہی آپکے وصال کے بعد آپ کے بھائی سیّد احمد سعیدؒ متولی مزار ہوئے۔ آپ بڑے شفیق، مہمان نواز، عابد، مخلص اور درویش سیرت انسان تھے۔ آپ سالانہ عرس و دیگر تقریبات کو نہایت گرم جوشی، محبت اور خلوص نیت کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ بھائی کی جدائی کو برداشت نہ کر سکے اور کچھ عرصہ کے بعد آپ بھی اس سرائے فانی سے دل برداشت ہو کر عالم بقاء کو رحلت فرما گئے۔ زاں بعد سیّد نور محمدؒ متولی مزار ہوئے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی خانقاہ کی جاروب کشی اور اعتکاف میں بسر کی۔ آپ کی وفات کے بعد لعل بیگ مرزا جالندھری و مرزا علی خانقاہ کی نگرانی کرتے رہے۔ جب ان کا بھی جام عمر لبریز

ہوا تو ان کے پسر مرزا حیدر علی جانشین ہوئے چند برسوں کے بعد وہ بھی اس دُنیا سے چل بسے۔ چند واسطوں اور برسوں کے گزر جانے کے بعد دورِ حاضرہ میں حضرت خواجہ سیّد محمود بنوریؒ کے عقیدت مندوں میں سے جن کا نام مرزا علی بیگ جالندھری بیان کرتے ہیں اور جن کی اولاد ابھی تک جالندھر میں موجود ہے، نگران خانقاہ ہوئے۔

تاریخ کے اوراق اور تذکرہ نویس ان کے شجرہ نسب اور طریقت سے آگاہ نہیں کرتے تاہم اُنہوں نے صاحبِ مزار کے مسلک کے مطابق تعلیمات کا سلسلہ جاری رکھا۔ آج نہ صرف بھارت بلکہ پاکستان کے کونہ کونہ میں آپ کے عقیدت مند موجود ہیں۔ جو سال کے تمام دنوں میں اور خاص طور سے عرس کے موقعہ پر سکونِ قلب کے لئے آپ کی درگاہ پر حاضری دیتے ہیں۔ یہ وہ متبرک و مقدس مقام ہے۔ یہاں انوار کی بارش ہوتی ہے جو دلوں کو منور کرتی ہے۔ زائرین اور مقامی لوگوں کو ذہنی سکون اور روحانی سرور پہنچاتی ہے۔ کیف و مستی کا سماں رہتا ہے۔ بے قراریوں کو قرار میسر آجاتا ہے۔ غرضیکہ سائل اس مقام پر دعاؤں کی قبولیت، روحانی قوت اور سکونِ قلب کی دولت کو حاصل کرتے ہیں۔

آپ کا عُرس اور میلہ سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے۔ ۲۶، ۲۷، ۲۸ ماہ ذیقعد آپ کے سالانہ عرس کی تاریخ ہے مگر ڈاکٹر نرلش صاحب چنڈی گڑھ (بھارت) آپ کے سالانہ عرس کی تاریخ اپنے مقالہ "درگاہ حضرت محمود بنوریؒ سنام[1]" میں ۲۶، ۲۷ ماہ ذیقعد بیان کرتے ہیں حالانکہ حضرت خواجہ سیّد محمود بنوریؒ نے ۲۸ ذیقعد ۵۱۵ ہجری میں وفات پائی اور ۲۸ ذیقعد آپ کا یوم وصال ہے۔ تقسیم ہندوستان سے قبل آپ کا سالانہ عرس تین دن ۲۶، ۲۷، ۲۸ ذیقعد کو منایا جاتا تھا یہ مذکورہ تاریخیں آپ کے یوم وصال کی تاریخ سے مطابقت کرتی ہیں اور درست تسلیم کی جاتی ہیں۔

مسٹر پریتم سیانی چنڈی گڑھ (بھارت) اپنے انگریزی مقالہ "قلعہ سنام[2]" میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت خواجہ محمود بنوریؒ کا سالانہ عرس ۳۱ جولائی کو منایا جاتا ہے اور اسی دن شہید ادہم سنگھ کے سالانہ میلہ کی بنیاد رکھی گئی تھی ان دونوں بیانات میں خاصہ

Marfat.com

تضاد پایا جاتا ہے۔ بہرحال آپ کے عُرس کی صحیح اور تسلیم شدہ تاریخ ۲۶، ۲۷، ۲۸، ماہ ذیقعدہ ہے۔

عرس کے ایام کے علاوہ مزار مبارکہ پر جمعرات کو ہزاروں عقیدت مند حاضری دیتے ہیں اور خاصی رونق ہو جاتی ہے۔ عیدین کے موقع پر روضہ مبارکہ پر ایک عظیم الشان میلہ بھی لگتا ہے جس میں ریاست مالیر کوٹلہ، پٹیالہ اور دیگر ضلعوں کے سائل ٹوٹے ہوئے دل لے کر آتے ہیں اور مرادوں سے بھری ہوئی جھولیوں کے ساتھ واپس جاتے ہیں۔ غرضیکہ عرس کے موقع پر مجالس ذکر و سماع ہوتی ہیں جس میں آپ کے عقیدت مند جوش و جذبہ اور سرمستی کے عالم میں شریک ہوتے ہیں اور خانقاہ کی عظمت و شوکت کو بحد امکان اجاگر کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ روضہ مبارکہ پر صبح سے شام تک بلکہ رات بھر قرآن پاک کی تلاوت و نعت خوانی اور درود و سلام پیش کیا جاتا ہے۔ عشق و سلوک، عقیدت و محبت، عبادت و ریاضت کی محفلیں نظر آتی ہیں۔ دربار کے اندر باہر اور گنبد پر رنگین بلبوں سے روشنی کی جاتی ہے۔ رنگا رنگ کی قندیلوں اور طرح طرح کے فانوسوں سے مزار کو چراغاں کر کے بقعۂ نور بنا دیا جاتا ہے۔ ہر قندیل آفتاب کی طرح اپنی روشنی پھیلاتی ہوئی نظر آتی ہے اور ہر جگہ نورانی دکھائی دیتی ہے۔ فقراء و مساکین اور زائرین کو کھانا دیا جاتا ہے اور مسافروں کی بھی خدمت کی جاتی ہے۔

عُرس سے ہفتہ عشرہ پہلے دربار کے قرب و جوار میں دوکانیں لگنا شروع ہو جاتی ہیں۔ لوگوں کے ہجوم سے سڑکیں پُر رونق ہو جاتی ہیں اور ہر آدمی اپنی ضروریات کے مطابق خرید و فروخت کرتا ہے۔

تقریباً نو سو برس گذر جانے کے باوجود اس آفتابِ رشد و ہدایت کی دل آویز شعاعیں آج بھی روز روشن کی طرح تاباں ہیں جس سے ساری بستی چمک رہی ہے زمانہ کی تند و تیز ہوائیں ان مقبولانِ بارگاہ الٰہی کی فیروزاں شمعیں کو بجھا نہ سکیں بلکہ فتن و فسادات حسد و عناد کے طوفان نے انہیں اور روشن کر دیا اور واحدنیت و روحانیت کا پرچم اور بلند ہوا۔ تقسیم ہندوستان کے بعد اس خانقاہ کے مجاور اور نگران پاکستان

Marfat.com

آ گئے ہیں۔ اب سالانہ عرس اور میلہ کی رسم اس بستی کے مقامی لوگ جو بھارت میں مقیم ہیں ادا کرتے ہیں اور مقبولانِ بارگاہ الٰہی کے انوار و برکات کی تجلیات سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد　　چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

سلطان العارفین حضرت باہو سلطانؒ فرماتے ہیں

نام فقیر تنہا دا باہو　　قبر جنہاں دی جیوے ہو

آج حضرت خواجہ اور ان کے خاندان کے مزارات اور مقبروں کی حالت خستہ، جابجا بکھری ہوئی نیم ایستادہ، بوسیدہ، بے سقف دیواریں، شکستہ مساجد اور چبوترے، ویران باغات اور سنسان حویلیاں کے کھنڈرات اپنی ویرانی بے سروسامانی اور زبوں حالی کا گلہ مسلمان زائرین سے کر رہے ہیں اور زبانِ حال سے اپنی گذشتہ عظمت اور شان و شوکت کی خونچکاں داستان بیان کر رہے ہیں

درد اپنا مجھ سے کہہ کہ میں بھی سراپا درد ہوں
جس کی تو منزل تھا میں اس کارواں کا گرد ہوں

اگرچہ یہ تذکرہ مائل بہ اختصار ہے لیکن طالبانِ راہِ طریقت اس مختصر جائزہ سے بھی آسودہ خاطر ہو سکتے ہیں اور مزید تحقیق کی راہیں کھل سکتی ہیں اور اپنے علم و فضل کی بدولت ایک عالیشان و فلک بوس عمارت تیار کر سکتے ہیں۔

روز و شب درد و درد می نوشم
در غم و شم گرچہ خاموشم

خادم الفقراء
میاں اخلاق احمد عفی عنہ

باب ۱۰

آپ کے

مشائخ طریقت کا شجرہ طیبہ

حضرت خواجہ محمود بنوئی بخاریؒ (ثم سُنامی) حضرت خواجہ حاجی شریف
زندانیؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ اس سلسلہ کے بزرگوں کے نام
بترتیب حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ حضرت خواجہ محمود بنوئی بخاریؒ (ثم سُنامی) (م ۵۱۵ھ) مرقد مبارک سُنام
۲۔ حضرت خواجہ حاجی شریف زندانیؒ (م ۵۸۴ھ) 〃 〃 بلاد بخارا
۳۔ حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ (م ۵۲۷ھ) 〃 〃 چشت
۴۔ حضرت خواجہ ابو یوسف ناصر الدین چشتیؒ (م ۴۵۹ھ) 〃 〃 〃
۵۔ حضرت خواجہ ابو محمد چشتیؒ (م ۴۱۱ھ) 〃 〃 〃
۶۔ حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ (م ۳۵۵ھ) 〃 〃 〃
۷۔ حضرت خواجہ ابو اسحاق شرف الدین شامی چشتیؒ (م ۳۵۵ھ) 〃 〃 عکہ (شام)
۸۔ حضرت خواجہ ممشاد علی دینوریؒ ۲۹۸ھ دینور (درمیان ہمدان اور بغداد)
۹۔ حضرت خواجہ امین الدین ابی ہبیرۃ البصریؒ (م ۲۸۷ھ) بلاد بصرہ
۱۰۔ حضرت خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشیؒ (م ۲۷۶ھ)
۱۱۔ حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہم بلخیؒ (م ۲۶۲ھ) جبلہ ملک شام
۱۲۔ حضرت خواجہ ابی الفیض فضیل بن عیاضؒ (م ۱۸۷ھ) مکہ مکرمہ نزد روضہ حضرت خدیجہؓ

Marfat.com

۱۳۔ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ (م ۱۷۷ھ) بلاد بصرہ

۱۴ حضرت خواجہ حسن بصریؒ (م ۱۰۲ھ) 〃

۱۵۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ (م ۴۰ھ) نجف اشرف

۱۶۔ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین۔ شفیع المذنبین رحمۃ العالمین شفاعت دستگاہ امت پناہ، سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم (م ۱۱ھ ۶۳۲ء) مدینہ منورہ۔

احقر

میاں اخلاق احمد (ایم۔اے)

۱۔ تتمہ

(i) حوالہ جات (ii) توضیحات (iii) احوال بعض رجال مذکور در تذکرہ

ابتدائیہ

لہ پیر بنّا بنوئی کے معنی قریہ بنو کا دولہا (لاڑا) یا قریہ بنو کا مہمان۔ پنجاب کے دیہتوں اور قصبوں میں عزت و احترام کے لحاظ سے دولہا کو "مہمان" کے نام سے بھی پکارتے ہیں۔

Marfat.com

باب ۱

لہ ص ۱۳ اچمنستان ولایت بحوالہ سوانح عمری حضرت خواجہ سید محمود نوئی رح از مولوی فیضل حق صاحب (سنگر دوری) ۱۹۲۲ء

سہ البیرونی۔ ابوریحان محمد بن احمد البیرونی (۹۷۳ء - ۱۰۴۸ء) مشہور مسلمان ماہر طبیعات و فلکیات، تحقیق و مورخ، فارسی، سنسکرت، عبرانی اور کئی دیگر زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ سلطان محمود غزنوی کے دربار کی زینت تھے۔ آپ خوارزم (خیوا) کے قریب ایک گاؤں "بیرون" میں ۳۶۲ھ / ۹۷۳ء میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے البیرونی مشہور ہوئے۔ تیس برس تک اپنے وطن میں رہے پھر کئی سال شمس المعالی والئے جرجان و طبرستان کے دربار سے وابستہ رہے۔ ۸۰ سال کی عمر میں ۱۲ سے زیادہ علمی کتابیں لکھنے کے بعد ۴۴۰ھ / ۱۰۴۸ء میں وفات پائی۔ بیہقی تاریخ الحکما میں بیان کرتے ہیں کہ البیرونی نے چالیس سال سے زیادہ تحصیل علوم میں صرف کئے اور ایک اونٹ کے بوجھ سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ "قانون مسعودی" جو علم ہیئت پر ہے آپ کی بلند پایہ تصنیف بیان کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ "کتاب الہند" "آثار الباقیہ" اور "القرآن الخالیہ" بہت مقبول و معروف ہیں۔ "کتاب الہند" میں ہندوؤں کے متعلق مکمل کوائف ملتے ہیں۔ اس کتاب میں ہندوستان کے مذاہب، فلسفہ، آداب، جغرافیہ، ہیئت، جوتش، رسم و رواج اور قوانین کا بیان ہے۔ البیرونی سب سے پہلا مسلمان محقق ہے جس نے ہندی علوم کا مطالعہ خود اس برصغیر میں آکر کیا۔ اور ہندی علوم کی کتابیں یہاں رہ کر پنڈتوں کی مدد سے پڑھیں اور ہندوستان کے شہروں کی سیاحت کی اور ان کا آنکھوں دیکھا حال اپنی مشہور تصنیف "کتاب الہند" میں لکھا ہے۔ اس کا بوعلی سینا سے اکثر مناظرہ ہوتا تھا۔ البیرونی کی عمر وفات کے وقت ۷۷ سال، ماہ تھی، جمعہ کے روز ۴۴۰ھ میں ۲ رجب مطابق ۱۱ ستمبر ۱۰۴۸ء کو عشاء کے بعد غزنی میں وفات پائی۔ وفات غزنی میں ہوئی لیکن قبر کا نام و نشان نہیں ملتا۔

Marfat.com

۳ ماخذ روز نامہ ٹریبون پنجابی - مورخہ ۱۴ر اکتوبر ۱۹۶۹ء چنڈی گڑھ مشرقی پنجاب (بھارت) ۔

۴ چمنستانِ ولایت بحوالہ سوانح عمری حضرت خواجہ سیّد محمود بنوئیؒ از مولوی فضل حق صاحب سنگرُوری ص ۴ - ۵ میں "براہمن لڑکی" کی بجائے "کنجد گر کی لڑکی" لکھا ہے اس کے علاوہ نام کے پرانے لوگ "سونا گوجری دوشیزہ" کا نام بھی بیان کرتے ہیں ۔

۵ ص ۱۲ چمنستانِ ولایت بحوالہ سوانح عمری حضرت خواجہ سید محمود بنوئیؒ از مولوی فضل حق سنگرُوری (۱۹۲۲ء)

باب - ۲

لہ مولانا محمد فخرالدین فخرِ جہاںؒ :۔ اسم گرامی محمد فخرالدین ۔ لقب "مولانا صاحب" خطاب "محب النبی" تھا۔ آپ ۱۱۲۶ھ مطابق ۱۷۱۵ء کو اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام نامی اسم گرامی حضرت شیخ نظام الدینؒ ہے آپ کے خاندان کے بزرگ باہر سے تشریف لا کر قصبہ نگراؤں (کاکوری) اودھ میں سکونت پذیر ہوتے تھے۔ آپ کے والد محترم دہلی میں آ کر حضرت شاہ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادیؒ سے بیعت ہوئے اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ اپنے پیر و مرشد کے فرمان کے مطابق رشد و ہدایت، تعلیم و تربیت اور اشاعت دین اسلام کی غرض سے دکن تشریف لے گئے۔ اورنگ آباد (دکن) میں قیام کیا اور اسی نسبت سے اورنگ آبادی معروف زمانہ ہوئے۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام سیدہ بیگم تھا اور حضرت سید محمد گیسو درازؒ کے خاندان سے تھیں۔ آپ بڑی عابدہ متقی اور پرہیز گار تھیں (ماخذ شجرۃ الانوار)

آپ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے واسطہ سے حضرت صدیق اکبرؓ سے جا ملتا ہے اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ تک جا پہنچتا ہے (خلاصۃ الفوائد) سلسلہ حدیث میں آپ نے اپنے آپ کو صدیقی لکھا ہے (تکملۂ سیر الاولیاء ص ۹۴) آپ کے والد ماجد نے آپ کی ولادت کی خبر اپنے پیر و مرشد

حضرت شاہ کلیم اللہ شاہ جہاں پوری کو کی۔ آپ بہت خوش ہوئے کہ اپنے عزیز مرید شاہ نظام الدین کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ محمد فخر الدین نام تجویز کیا اور "مولانا" کا لقب فرمایا (مناقب فخریہ ص۶) اپنا ملبوس خاص آپ کے لئے عنایت فرمایا۔ اس نومولود بچہ کے شاندار مستقبل کی بشارت دی اور فرمایا کہ یہ لڑکا شاہجہاں آباد میں ہدایت و ارشاد کی شمع کو فروزاں کریگا (مناقب فخریہ ص۸، تکملہ سیر الاولیاء ص۱۰۵) پہلی بیوی کے بطن سے دو لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکوں کے نام محمد اسمٰعیل اور فخر الدین ہے (مناقب فخریہ ص۹، تکملہ سیر الاولیاء ص ۱۰۶) دوسری بیوی سے تین لڑکے ہوئے جنکا نام غلام معین الدین، غلام بہاؤ الدین اور غلام کلیم اللہ تھے۔ یہ تین بھائی اور بہن آپ سے بیعت تھیں۔ آپ کے بڑے بھائی خواجہ کامگار خانؒ کے مرید تھے۔ بہادر شاہ ظفر کو حضرت مولانا فخر الدینؒ کے آستانہ سے بہت محبت تھی۔ اکثر وہاں قیام کیا کرتے تھے۔ آستانہ کی طرف کبھی پشت نہ کرتے۔ جب بھی آپ کا ذکر آتا رونے لگتے (تذکرہ اولیائے ہند از مرزا احمد اختر) ۲۶ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ/ ۱۷۸۴ء کو آپ نے وفات پائی۔ مزار شریف دہلی میں ہے آپ کا مادہ تاریخ "خورشید دو جہانی" ہے۔ ؎

سال وصال آں ماہ از غیب چوں بجستم
تاریخ گفت ہاتف خورشید دو جہانی ۱۱۹۹ھ

۲؎ مشائخ چشت کا شجرہ۔ فتوح السلاطین ص ۷۰ (بہ تصحیح محمد یوشع مدارس ۱۹۴۸ء)
۳؎ نفحات الانس از مولانا عبد الرحمٰن جامی ص ۲۰۷

باب ۳

۱؎ ص ۱۲ چمنستان ولایت۔ بحوالہ سوانح عمری حضرت خواجہ سید محمود بنوئیؒ از مولوی فضل حق صاحب سنگرودی (۱۹۲۲ء)

باب ۴

۱؎ حضرت سید عبد القادرؒ اولیائے عالم کے سردار اور وہ مقدس و مطہر ہستی ہیں۔

Marfat.com

جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھیلائی ہوئی شریعت کو زندہ اور روشن کیا۔ آپکو حسنی و حسینی سید کہتے ہیں۔ آپ کی ماں کی باپ دونوں طرف سے آلِ رسولؐ تھے رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

آپ کے خاندان کی جائے سکونت جیلان (گیلان) میں تھی اور اسی چھوٹے سے زرخیز قصبہ میں آپ پیدا ہوئے۔ تاریخِ ولادت میں اختلاف ہے۔ بعض ۴۷۰ھ اور بعض ۴۷۱ھ بتاتے ہیں بروایت ابو صالح نصرؒ ۴۷۰ھ اور بروایت ابوالفضل احمدؒ ۴۷۱ھ ہے۔ آپ کے والد بزرگوار ابو صالحؒ کو جنگ سے بہت رغبت تھی۔ اس لئے انہیں جنگی دوست کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ نہایت نیک اور صالح بزرگ تھے۔ سفینۃ الاولیاء میں آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالرزاقؒ کے حوالہ سے مذکور ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کی عمر بہت ہوگئی تھی اور مایوسی کا زمانہ آگیا تھا۔ جب آپ بطنِ مادر میں تشریف لائے۔ یہ بھی آنحضرت کی کرامات سے ہے جو خدا کے فضل و کرم سے آپ کو حاصل تھیں۔ آپکی والدہ، عبدہ بڑی متقیہ، عارفہ، صالحہ اور صاف کشف و کرامات تھیں۔

حضرت غوث الاعظمؒ کے نانا عبداللہ صومعیؒ اپنے وقت کے مشہور ولی اللہ تھے اور آپ کی پھوپھی سیدہ عائشہ جیلان کی بڑی پارسا خاتون تھیں۔ آپ کو تحصیلِ علم کا بہت شوق تھا۔ آپ ۴۸۸ھ میں بغداد تشریف لائے۔ یہ شہر عباسیوں کا دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے علوم و فنون کا بہت بڑا مرکز تھا۔ یہاں کی شہرہ آفاق اسلامی درسگاہ نظامیہ جو دُنیا بھر کے طلبہ کا مرجع تھی۔ اس دارالعلوم میں داخل ہوئے اور بجان و دل تحصیل علوم میں مشغول ہوئے۔ تھوڑے عرصہ میں قرآن مجید بعدہٗ علم فقہ و حدیث اور دیگر علوم دینیہ میں وہ کمال حاصل کیا کہ ممتاز اور شہرہ آفاق ہوگئے اور اپنے اقران و اہلِ زبان پر سبقت لے گئے۔

آپ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اویسی تھے اور خرقہ ارادت حضرت شیخ ابو سعید مبارک مخزومی قدس سرہٗ سے حاصل کیا جنکا سلسلہ بیعت حضرت معروف کرخیؒ تک پہنچ کر حضرت امام رضاؒ تک منتہی ہوتا ہے اور پھر ان کے آباء کے واسطے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ آپ کے پیر صحبت حضرت شیخ حماد دباس قدس سرہٗ

Marfat.com

تھے جو بغداد کے بڑے مشہور مشائخ سے تھے اور بغداد میں انگور و خرما کا شیرہ فروخت کیا کرتے تھے اس لئے انہیں "دباس" کہتے ہیں۔ مراۃ الاسرار میں مرقوم ہے کہ ابتدائے حال میں حضرت خضر علیہ السلام نے بھی آپ کو کسی قدر تربیت دی ہے اور تاج العارفین شیخ ابوالوفا بغدادیؒ سے بھی آپ نے خرقہ پہنا تھا جو شیخ ابو محمد شنبگیؒ کے مرید تھے انکے پیر شیخ ابوبکر بن ہوار بطائحیؒ تھے۔ جنہوں نے خواب میں حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ خرقہ اور ٹوپی پہنی تھی۔ ان دونوں بزرگوں نے آپ کی بزرگی کی بشارت دی تھی۔

حضرت غوث الاعظمؒ نے ماہ شوال ۵۲۱ھ میں بہ اشارہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ منبر پہ پہلا وعظ فرمایا۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ ہدایت دکھائیں۔ گنہگاروں کو گناہ کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت اور نیکی کی روشن منزل تک لے جائیں، بیماروں کا علاج کریں اور مردہ دلوں کو زندگی بخشیں۔ موثر وعظ کی وجہ سے آپ کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ لوگوں کے دلوں میں آپ کی عظمت و بزرگی بیٹھ گئی اور قبولیت عامہ حاصل ہوئی۔ آپ کی مجلس میں لوگ کثرت سے آنے لگے اور مدرسہ کی جگہ جو بغداد کے محلہ "باب الدرج" میں واقع تھا ناکافی ہو گی۔ جگہ کی تنگی کی وجہ سے سامعین مدرسہ کے باہر کھڑے ہو کر آپ کے ارشاداتِ گرامی سے فیض یاب ہوئے۔

۵۲۸ھ میں یہ مدرسہ ایک عالی شان عمارت میں بن کر تیار ہوا۔ دُور دراز ممالک سے بھی لوگ شریعت و طریقت کے حصول کے لئے آتے اور فیض یاب ہو کر واپس اپنے اپنے شہروں کو چلے جاتے تھے جن میں بڑے بڑے مشائخ اور علمائے کرام بھی ہوتے تھے۔ اس طرح آپ کے عقیدت مند تمام عالم اسلام میں پھیل گئے۔

آپ نے ۱۱ ربیع الثانی ۵۶۱ھ کو بغداد میں وفات پائی۔ آپ کا عرس پاکستان میں ۱۱ ربیع الثانی اور بغداد شریف میں سترھویں (۱۷) ربیع الثانی کو بالعموم ہوتا ہے۔

آپ صاحب تصنیف بھی تھے۔ غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب، جلاء الخواطر، فتح الربانی اور قصائد آپ کی مشہور و معروف تصانیف ہیں۔ ایک قصیدہ بھی آپ نے تصنیف فرمایا جو "قصیدہ غوثیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت غوث الاعظم نے مناجات

کے طور پر تین اشعار پڑھے جو "چہل کاف" کے نام سے مشہور ہے۔ چہل کاف کی شرح مولانا رفیع الدینؒ بن شاہ ولی اللہ المتوفی ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء نے کی جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ یہ قلمی نسخہ کتب خانہ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں موجود ہے یہ شرح بتاریخ اول صفر ۱۲۰۲ھ/۱۷۸۷ء فارسی زبان میں لکھی گئی۔

ماخذ ابن الاثیر تاریخ الکامل (۱۱: ۱۲۱)، دارا شکوہ سفینۃ الاولیاء لکھنؤ ۱۸۷۲ء ص ۴۳ تا ۵۸، عبدالنبی کوکب: شاہ جیلان لاہور ۱۹۷۱ء، خاتون پاکستان (ماہنامہ) کراچی، غوث اعظم نمبر ۱۹۶۷ء نور بخش توکلی سیرۃ سیدنا غوث اعظم لاہور ۱۹۶۷ء از حبیب الرحمٰن خاں شروانی ذکر محبوب، حیدر آباد دکن ۱۳۴۳ھ الشعرانی طبقات ۱: ۱۰۸

؎۲ ص ۳۲ چمنستانِ ولایت بحوالہ سوانح عمری حضرت خواجہ سید محمود بنوئی رح از مولوی فضل حق صاحب سنگجوری ۱۹۲۲ء۔

؎۳ ص ۴۵ چمنستانِ ولایت بحوالہ سوانح عمری حضرت خواجہ سید محمود بنوئی رح از مولوی فضل حق صاحب سنگجوری ۱۹۲۲ء۔

؎۴ ص ۱۵۲ ایضاً

باب ۵

جائے وقوع (۱)

؎۱ امپریل گزیٹر آف انڈیا مطبوعہ ۱۹۰۸ء ص ۱۳۹ جلد ۲۳ دوبارہ اشاعت پنجاب جلد دوم عزیز پبلشر لاہور ص ۲۸۶ (پاکستان)

؎۲ اس سے سلطان فیروز شاہ تغلق بادشاہ ہندوستان مراد ہے۔

؎۳ سردار پرتاپ سنگھ، سردار دیوا سنگھ کے فرزند تھے آپ کے سی۔ایس۔ آئی پریذیڈنٹ کونسل آف ریجنسی ریاست پٹیالہ کے عہدہ پر معمور تھے۔ آپ

Marfat.com

فاضل اور علم دوست تھے۔ آپ کی تصنیف "جغرافیہ ریاست پٹیالہ" سن ۱۸۸۱ء میں نولکشور پریس لکھنو سے شائع ہوئی۔ علمی حلقوں میں یہ کتاب ممتاز مقام رکھتی ہے

ماخذ ص ۲۵

۴؎ ندی، نالہ یا چشمہ مگر سردار صاحب اس ندی کا نام بیان نہیں کرتے۔

۵؎ ص ۱۴-۱۵ جغرافیہ پٹیالہ تصنیف پنڈت گنیشی لعل مدرس اوّل ریاضی، کالج پٹیالہ ۱۸۸۱ء پٹیالہ۔

۶؎ مزار حضرت داتا گنج بخشؒ لاہوری (م ۴۶۵/۷۳-۱۰۷۲ھ) مزار امیر ایازؒ لاہوری، مزار حضرت سیّدنا امام علی الحق سیالکوٹیؒ اور مزار مسعود سعد سلمانؒ مزنگ لاہور، (وفات ۴۹۲ھ/۹۹-۱۰۹۸ء)

(۲) سُنام کے نام کی وجہ تسمیہ

PATILAL AND ITS HISTORICAL SURROUNDINGS

ED: BY S, FUJA SINGH, PUNJABI UNIVERSITY

PATILAL, 1969 - P 63

۲؎ غیاث اللغات بذیل لفظ "س"

۳؎ گوجری کے معنی گوجر عورت، گوالن

۴؎ سلسلۃ الاولیاء قلمی نسخہ (ورق ۴۳ ب حاشیہ فارسی) مملوکہ پروفیسر ڈاکٹر احمد حسین قریشی گجرات (پاکستان)

۵؎ ماخذ کتاب الہند از البیرونی، تاریخ فرشتہ، منتخب التواریخ از عبدالقادر بدایونی، دربار اکبری، طبقات اکبری از نظام الدین احمد ہروی

۶؎ پنجاب گزیٹر (پھلکیاں سٹیٹ) پٹیالہ

(۳) سُنام کی تاریخ

۱؎ ۲؎ ص ۱۳۹ جلد ۲۳ ، امپیریل گزیٹر آف انڈیا (۱۹۰۸ء) مطبوعہ پنجاب جلد دوم (دوبارہ اشاعت عزیز پبلشر لاہور سن ۱۹۷۹ء)

۳؎ مہرشی والمیک کی راماین زمانہ قدیم کی یادداشت ہے اور ادبی لحاظ سے ممتاز خیال کی جاتی ہے۔ مہرشی والمیک بھگت اور شاعر تھے۔ ایشور کے سیوک اور پُن کے پرچارک تھے۔ کھانا کھلانا اور سیوا کرنا ان کا کارن تھا۔ مگر مورخ نہیں تھا۔ صرف چند قدیم یادداشتوں کو اکٹھا کیے ہوئے تھے۔ سادھوؤں سے بہت پیار تھا۔ پُن کے کاموں میں بہت دلچسپی تھی، تالاب، چرسے، باولی اور کنوئیں کی تعمیر کی لگن تھی۔ دیوتاؤں کے شہر سُنام میں ایک دیوتا تھے۔

۴؎ ماخذ تاریخ سُنام از سیاح سُنامی (بھارت)

۵؎ TRANSLATED FROM "PATILAL AND ITS SURROUNDINGS" ED, BY S. FUJA SINGH PUNJABI UNIVERSITY PATILAL 1969 - P63

(۴) سُنام کی پیداوار اور عوام

۱؎ ص ۲۵ ۔ جغرافیہ ریاست پٹیالہ از سردار پرتاپ سنگھ

۲؎ کوہ نور ہیرا :۔ تاریخوں کے مطالعہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں اپنی خوبیوں، قد و قامت اور قیمت کے لحاظ سے تین ہیرے سب سے زیادہ مشہور ہیں "اورلف"، "دریائے نور" (یا مغل اعظم) اور "کوہ نور" ان میں سے اول الذکر ہیرا زار روس (اب شاید USSR) کے، دوسرا شاہ ایران اور تیسرا کوہ نور ملکہ انگلستان کے قبضے میں ہے۔ یہ تینوں ہیرے دراصل ہندوستان کی ملکیت تھے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان سے چھن گئے اور بادشاہ

نادر شاہ انہیں ایران لے گیا۔ اس وقت دریائے نور کی قیمت کا اندازہ دو لاکھ روپیہ اور لیف کی قیمت پانچ لاکھ روپیہ بیان کی جاتی تھی لیکن کوہ نور ان دونوں ہیروں سے زیادہ قیمتی اور خوبصورت ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ جنگ مہا بھارت میں یہ الماس راجہ کرن کے قبضہ میں موجود تھا۔ پھر ۱۳۱۰ء میں مالوہ کی فتح کے وقت سلطان علاء الدین خلجی کے ہاتھ آیا۔ ۱۵۲۶ء پانی پت کی لڑائی کے بعد جب بابر سلطنت ہندوستان پہ قابض ہوا تو یہ ہیرا بھی اس کے تصرف میں آیا۔ پھر بابر کی لڑکی گلبدن بیگم کے قبضہ میں دیگر جواہرات کے ساتھ کئی سال اُس کی صندوقچی میں رہا اور یہ صندوقچی بصورت سفر و قیام گلبدن بیگم کے پاس رہتی جس کی وہ خود نگران محافظ اور ذمہ دار تھی۔

محمد شاہ کی تخت نشینی سے قبل مغلیہ بادشاہوں کے خزانے کی زینت رہا۔ ۱۷۳۸ء میں نادر شاہ ایرانی نے اسے محمد شاہ رنگیلا سے غصب کر لیا۔ نادر شاہ کے قتل کے بعد احمد شاہ درّانی کی ملکیت رہا پھر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے احمد شاہ کے پوتے شاہ شجاع الملک سے چھین لیا، ۱۸۴۹ء میں جب انگریزوں نے پنجاب کا الحاق اپنی سلطنت سے کر لیا تو یہ ہیرا بھی سکھوں سے چھین کر کلکتہ بھیج دیا گیا اور کلکتہ سے انگلستان ۲ جون ۱۸۵۰ء کو ملکہ وکٹوریہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اب اس کا وزن صرف ۱۰۶ قیراط رہ گیا ہے (ماخذ ہمایوں نامہ گلبدن بیگم ص ۱۹-۲۰۔ اور تاریخ ہیرا کوہ نور بحوالہ تاریخ ہند از خان بہادر شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ دہلوی وغیرہ)

سے ماخذ تاریخ کمبوہاں از منشی وہاب الدین بی اے لاہور

(۵) سُنام کی اہمیت و چند مشاہیر

سلہ سرہند سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہدِ سلطنت (۷۵۲ھ-۷۹۰ھ مطابق ۱۳۵۱ء-۱۳۸۸ء) میں بیابان جنگل اور شیروں کا مسکن تھا۔ یہ مقام

Marfat.com

قریہ براس سے چھ سات کوس کے فاصلہ پر واقع تھا اور اس کے گرد و نواح میں کوئی شہر نہ تھا۔ لوگوں کو سلطانی مالیہ کی دوری کی وجہ سے شہر سامانہ پہنچانے میں بڑی دقت ہوتی تھی، سلطان فیروز شاہ تغلق مخدوم سید جلال الدین بخاریؒ کا مرید تھا۔ انکی سفارش سے سلطان نے اس جگہ ایک شہر آباد کرنے اور قلعہ تعمیر کرنے کا حکم نافذ کیا۔ یہ برصغیر کا تاریخی اور مقدس مقام ہے جو خانوادۂ فاروقی کا مسکن بنا اور اسی مقام سے تجدید و احیائے دین کی کرنیں اطراف و اکناف عالم میں ضوفگن ہوئیں۔ جس مبارک ہستی نے اس شہر کو دوامی شہرت سے ہمکنار کیا۔ وہ مجدد الف ثانیؒ کے لقب سے ملقب ہوئے۔

۲؎ سامانہ (سمانہ) ریاست پٹیالہ سے ۱۱ میل کی دوری پر جنوب مغرب کی جانب واقع ہے۔ یہ ایک پرانا قصبہ ہے مگر اس کے قدیم حالات بہت کیا ہیں۔ کھنڈرات کی کثرت سے جو اس کے گرد و نواح میں نظر آتے ہیں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں یہ شہر مانند دیگر نام آور ہمسایہ شہروں کے بہت آباد ہو گا۔ مگر اب یہ بات نہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۴۹۵ آدمی اس میں بستے ہیں۔ یہاں بہت سے بزرگان اہل اسلام کے مزار ہیں۔ سب سے پرانا امام صاحبؒ کا مزار ہے جو شہر سے گوشۂ شمال مغرب میں واقع ہے۔ ماہ محرم الحرام کی دس تاریخ کو آپ کا سالانہ عرس منایا جاتا ہے۔ اقسام شیرینی میں یہاں کی مٹھائی برفی اور میووں میں بیر مشہور ہیں۔ سرکار ریاست کی طرف سے اس قصبہ میں زنانہ اور مردانہ مدرسہ قائم ہے۔ تھانہ دار اس تحصیل کا یہیں رہتا ہے۔ یہ قصبہ مشرقی پنجاب بھارت میں شامل ہے اور اس کی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے۔

۳؎ تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ صاحب ص ۱۴۱

۴؎ تاریخ فرشتہ ص ۲۹۰

۵؎ سلطان الاولیاء حضرت شیخ نظام الدینؒ:۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ جامع علوم ظاہر و باطنی تھے۔ فقہ حضرت امام ابو حنیفہؒ میں اور تفسیر و حدیث و اصول کلام میں استحضار تمام رکھتے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار

Marfat.com

سید احمد دانیالؒ بن علی بخاریؒ غزنی سے ہندوستان تشریف اور شہر بدایون میں وطن اختیار کیا اور شیخ نظام الدین اولیاؒ اس شہر میں ماہ صفر ۶۳۴ھ میں متولد ہوئے۔ جب پانچسال کے ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے قضا کی اور آپ کی والدہ ماجدہ بی بی زلیخاؒ نے آپ کی پرورش کی جب حضرتؒ سن تمیز اور رشید کو پہنچے تو تحصیل علوم ظاہری اور باطنی میں مشغول ہوئے جب بدایون میں کوئی مدرسہ نہ رہا تو آپ پچیس ۲۵ برس کی عمر میں اپنی والدہ ماجدہ کو لے کر دہلی تشریف لے آئے اور ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرہ میں سکونت اختیار کی اور خواجہ شمس الدین خوارزمیؒ جو اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم تھے جن کو بادشاہ غیاث الدین بلبن نے آخر میں خطاب شمس الملک مخاطب کر کے منصب وزارت تفویض فرمایا تھا کی شاگردی میں منسلک ہوئے اور تحصیلِ علم میں مشغول ہو گئے۔ حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ کی معیت کی وجہ سے حضرت سلطان المشائخ فرید الملت والدینؒ کی خدمت کا اشتیاق ہوا ہر وقت جوش اعتقادی اور محبت کی وجہ سے بے چین رہتے تھے اور متواتر ان کا نام مبارک لیا کرتے تھے ایک روایت میں ہے کہ آپ ہر نماز کے بعد یا فرید یا فرید کا وظیفہ بھی پڑھتے رہتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد شہر دہلی سے قصبہ اجودھن کی طرف جو حضرت بابا فریدؒ کا مقام سکونت تھا تشریف لے گئے۔ ملاقات سے مشرف ہوئے اور بیعت ہوئے کچھ عرصہ کے بعد شہر دہلی واپس تشریف لائے کئی برسوں تک دہلی میں رشد و ہدایت کا چشمہ جاری و ساری رہا۔ آخر ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ ۹۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ مزارِ اقدس زیارت گاہ خلق ہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے والد ماجد کا انتقال ۶۳۶ھ میں بدایوں میں ہوا اور متصل ساگر تال میں دفن ہوئے۔ ۱۱۸۴ھ میں حافظ الملک حافظ رحمت خاںؒ نے مسجد، گنبد اور چار دیواری بنوائی (ماخذ تذکرہ مشائخ کرام از محمد قاسم فرشتہ ص ۷۰، تذکرۃ الواصلین ص ۶۷، ۶۲ فوائد الفواد)

سلہ اخبار الاخیاء از شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۲۳۴ - ۲۳۵

۵ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۰، ص ۴۴۸ بذیل لفظ سرہند شریف۔

۶ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ آپ کے آباؤ اجداد سلطان شہاب الدین غوری کے عہدِ سلطنت میں ہندوستان تشریف لائے آپ فرخ شاہ بادشاہ کابل کے خاندان اور حضرت فاروق اعظمؓ کی اولاد امجاد سے تھے۔ لاہور میں قیام کیا۔ پھر قصور کی طرف چلے گئے وہاں سے ہوتے ہوئے کھوتوال (ضلع ملتان) میں ٹھہرے وہاں کی آب و ہوا آپ کو پسند آئی اور وہیں اقامت پذیر ہوگئے۔ حضرت بابا فریدؒ کے دادا قاضی شعیبؒ تھے۔ قاضی شعیبؒ کے تین لڑکے تھے۔ پہلے بیٹے کا نام قاضی جمال الدین سلیمانؒ تھا۔ دوسرے لڑکے شیخ عبداللہؒ تھے۔ جن کی اولاد میں حضرت مجدد الف ثانیؒ تھے۔ تیسرے صاحبزادے شیخ شعبانؒ تھے۔ جن کی اولاد جون پور میں آباد ہے۔ حضرت بابا فریدؒ کے والد شیخ جمال الدین سلیمانؒ قاضی شعیبؒ کے بڑے بیٹے تھے۔ ان کی شادی شیخ وجیہہ الدین خجندیؒ کی صاحبزادی بی بی قرسم خاتونؒ سے ہوئی جو بڑی عابدہ و زاہدہ تھیں۔ بی بی صاحبہ قائم اللیل اور صائم الدہر تھیں۔ آپ کے والد ماجد کہتوال ضلع ملتان کے ایک بزرگ عالم تھے۔ بی بی صاحبہ کے بطن سے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ آپ بیوہ ہوگئیں۔ بڑے لڑکے کا نام شیخ اعزاز الدین محمودؒ، منجھلے کا شیخ فرید الدین مسعودؒ اور چھوٹے نام نجیب الدین متوکلؒ رکھا گیا۔ حضرت بابا فریدؒ بتاریخ یکم رمضان المبارک ۵۶۹ھ شب سہ شنبہ بمقام کھوتوال پیدا ہوئے۔ یہ مقام پاک پتن اور بہاراں شریف کے درمیان واقع ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کھوتوال میں حاصل کی۔ جب آپ کی عمر ۱۲ سال کی ہوئی تو آپ اپنی تعلیم کی تکمیل کے لیے ملتان تشریف لے گئے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے سن ۵۸۴ھ میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور ان کی نگرانی میں سلوک کے منازل طے فرمائے اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ درس و تدریس، ہدایتِ خلق اور تبلیغ دینِ اسلام میں آپ نے جس قدر خدمات انجام دیں یہ سعادت بہت کم بزرگوں کو نصیب ہوئی ہے۔

Marfat.com

۴ محرم الحرام ۶۶۴ھ میں وفات پائی۔ آپ کی عمر ۹۲/۹۵ سال کی تھی۔ حضرت خواجہ بدرالدینؒ جانشین ہوئے۔

۹ جواہر مجددیہ ص ۳۔

۱۰ روضۃ القیومہ ص ۲۰ سیرت امام ربانیؒ ص ۲۴۔

۱۱ شاید "ہنسلاندی" مراد ہو۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۰ ص ۸۲۱ بذیل لفظ سرہند شریف۔

۱۲ تاریخ فرشتہ تصنیف محمد قاسم ص ۴۲۰۔

۱۳ اس کی صحیح تحقیق نہیں ہو سکی شاید "سرمور" مراد ہو۔

۱۴ اس نہر کو نہر سلیمہ بھی کہتے ہیں۔

۱۵ منتخب التواریخ از ملا عبدالقادر بدایونی ص ۱۵۰۔

۱۶ تاریخ سیر المتاخرین حصہ اول ص ۱۲۹۔

۱۷ روضۃ القیومہ ص ۲۱، سیرت امام ربانیؒ ص ۲۷۔

۱۸ ماخذ زبدۃ المقامات، وعمدۃ المقامات و روضۃ القیومہ۔

۱۹ عمدۃ المقامات ص ۱۰۰ وحالات و مقامات از مولوی عبدالاحد ص ۵۔

۲۰ حضرت سید جلال الدین بخاری اوچی معروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت نوراللہ مرقدہٗ، سید احمد کبیر کے فرزند اکبر اور حضرت سید جلال سرخ بخاری کے پوتے تھے۔ آپ ۱۴ شعبان المعظم ۷۰۷ھ/۱۳۰۸ء کو شب برات کی ساعت سعید میں اوچ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد بزرگوار حضرت سید احمد کبیرؒ اپنے عم محترم سید صدرالدین محمدؒ اور شیخ جمال خندانؒ روکنے پر سایہ ہوئی۔ فقہ اور اصول فقہ کی کتابیں مثلاً ہدایہ اور اصول بزدوی وغیرہ آپ نے علامہ شیخ بہاءالدین اوچی سے پڑھیں۔

حضرت شیخ بہاءالدین اوچی کی وفات کے بعد آپ ملتان تشریف لے گئے۔ جہاں آپ نے ایک سال قیام کیا اور شیخ ابوالفتح رکن الدین ملتانیؒ کی نگرانی میں مولانا

Marfat.com

موسیٰ نبیرہ حضرت ذکریا ملتانیؒ اور ان کے چچازاد بھائی مجدد الدینؒ کے زیر تدریس رہے اور مولانا شاہ رخ عالمؒ سے بھی استفادہ علم کیا۔ بیت اللہ شریف کے بہت حج کئے۔ ازاں جملہ انہیں میں حج اکبر نصیب ہوئے۔

مکہ معظمہ میں حضرت شیخ عبداللہ شافعیؒ اور مدینۃ المنورہ میں شیخ عبداللہ مطریؒ سے تصوف و حدیث کی کتابوں کا درس لیا۔ یہ دونوں حضرات خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ کے فیض یافتگانِ صحبت سے تھے۔ اس کے علاوہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی مشہور تصنیف "عوارف المعارف" کا سبق بھی شیخ عبداللہ مطریؒ سے لیا۔

آپ بڑے عالم۔ نہایت نیک، صالح، پارسا اور عبادت گزار تھے۔ فتویٰ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے فقہ کے مطابق دیتے تھے مگر نماز جنازہ غائبانہ کے بھی قائل تھے۔ تلاشِ حق کے لئے بے انتہا سفر کئے۔ چودہ خانوادوں سے آپ کو خلافت حاصل ہوئی۔ سلطان فیروز شاہ تغلق آپ کا مرید و معتقد تھا۔

۸۵۵ھ/۱۳۸۴ء میں وفات پائی۔ اوچ شریف تحصیل احمد پور شرقیہ ضلع ریاست بہاول پور میں آپ کا مزار مبارک مرجع خاص و عام ہے۔ مزار پر درود و سلام کی محافل منعقد ہوتی ہیں۔ زائرین تلاوت کلام پاک اور ذکر و شغل میں ہمہ وقت مصروف نظر آتے ہیں اور اس کامل ہستی کا فیض برابر جاری و ساری ہے (ماخذ تذکرہ مشائخ کرام از محمد قاسم فرشتہ ص ۱۸۶، زبدۃ المقامات از محمد ہاشم کشمی ص ۸۹-۹۱، روضۃ القیومۃ از شیخ محمد احسان نقشبندی و مجددی)

۲۱ شیخ شرف الدینؒ (ولادت ۶۵۲ھ وفات ۷۲۴ھ) آپ کا اسم گرامی شیخ شرف الدین، ابوعلی قلندر یا بوعلی قلندر کنیت اور اسی نام سے معروف زمانہ ہوئے۔ آپ پانی پت کے رہنے والے تھے بڑے مشہور مجذوب اور ولی اللہ تھے اوائل عمر میں آپ نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی تمام تر توجہات کو سلوک اور طریقت کی طرف مبذول کر دیا تھا۔ اور تمام کتب کو دریا برد کر کے مجذوب بن گئے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اخبار الاخیار (ص ۲۷۹) میں تحریر کرتے ہیں

Marfat.com

کہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کس سے بیعت تھے۔ البتہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید تھے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے بیعت تھے لیکن یہ دونوں روائتیں بلا دلیل و بلا حجت ہیں۔

محمد غوثی شطاری مانڈویؒ "گلزار ابرار" (ص ۱۰۰) میں لکھتے ہیں کہ بعض کہتے ہیں کہ آپ سلطان نظام الدین اولیاءؒ کے مرید تھے اور ایک روایت یہ ہے کہ آپ شیخ شرف طعمہؒ کے مرید اور نیز شاگرد بھی تھے جو آپ کے وقت میں بزرگ علماء اور اولیاء اللہ سے تھے امیر خسروؒ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے اشعار پیش کیا کرتے تھے۔ آپ کا ایک رسالہ عوام الناس میں "حکم نامہ شرف الدین" کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ چالیس برس کی عمر میں اپنے وطن سے چل کر دارالملک دہلی میں پہنچا اور وہاں خواجہ قطب الدین اوشیؒ کے روضہ مبارک کا طواف کیا۔ عالمانِ وقت نے مجھ کو دہلی کے درس اور فتوٰی نگاری کا منصب سپرد فرمایا۔ چنانچہ میں بیس سال تک دہلی میں مفت کا مفتی اور ہر ایک قسم کے علوم کا مدرس رہا۔ جب جذبہ نے جوش کیا تو درس اور فتوٰی کا کاروبار درہم برہم کر کے وہاں سے چل دیا اور مجذوبیت طاری ہو گئی۔ مولانا ضیاء الدین سُنامیؒ اور امام نماز شیخ رفیع الدین سُنامیؒ آپ کے ہمعصر تھے۔

آپ نے ۷۲۴ھ میں وفات پائی۔ روضہ پانی پت میں پُر رونق جگہ پر زیارت گاہ خلق ہے۔

۲۲ ماخذ زبدۃ المقامات و عمدۃ المقامات و روضۃ القیومہ

۲۳ اخبار الاخیار از عبدالحق محدث دہلویؒ ص ۲۷۹

۲۴ تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف۔

۲۵ ص ۴۸، ص ۵۴، ص ۵۵ خزینۃ الاصفیاء جلد ۲۔ از مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء میں درج ہے کہ آپ ملازمت کے لئے شام سے دہلی آئے۔

یہ غیر صحیح ہے بلکہ آپ سُنام میں رہتے تھے۔ روزگار کی تلاش میں سُنام سے دہلی تشریف لے گئے۔ تذکرہ "صوفیائے پنجاب" میں مولانا اعجاز الحق قدوسی نے بغیر تحقیق کے اسی طرح نقل کیا ہے جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

۲۶ تاریخ فرشتہ ص ۱۷۸ (ناشر احسن برادرز لاہور)

۲۷ سیر العارفین از حامد بن فضل اللہ جمالی ص ۲۰۵، ۲۰۶ و تذکرہ مشائخ کرام از محمد قاسم فرشتہ ص ۱۷۸، ۱۷۹۔

۲۸ ص ۵۵

۲۹۔ ص ۲۸۴

۳۰۔ ص ۵۵ جلد ۲

۳۱۔ سیر العارفین ص ۷۲۔

۳۲۔ سیر العارفین ص ۷۲ میں "ماں" اور "لڑکے" کا ذکر ہے مگر فوائد الفوائد ص ۲۱۹ میں صرف "ماں" کا ذکر آتا ہے۔

۳۳ سیر العارفین ص ۷۲ میں "وزیر" لکھا ہے اور فوائد الفواد ص ۲۱۹ میں "دبیر" لکھا ہے۔

۳۴ ص ۲۰۸ مآثر العارفین از جان محمد (لاہور)

۳۵ ص ۲۰۹ ایضاً

۳۶ ص ۳۰۴ سواطع الانوار مولفہ شیخ بندگی محمد اکرم بن محمد علی (دہلی)

۳۷ ص ۱۶۲ سیر العارفین از حامد بن فضل اللہ جمالی

۳۸ کشاف کے مصنف کا نام جار اللہ ابو القاسم محمود عمر الخوارزمی الزمخشری ہے۔ (پیدائش ۲۷ رجب ۴۶۷ھ۔ انتقال ۵۳۸ھ/۱۱۴۳ء) آپ مدرس مبلغ اور مصنف تھے۔ زمخشری عملاً اور فقہیاً تو حنفی تھے۔ مگر عقیدہ کے لحاظ سے مائل الاعتزال تھے بعض متقدمین علماء نے اس تفسیر کو عقائد اسلام کے خلاف قرار دیا ہے۔ مگر علمی اور فنی اعتبار سے کشاف کو بہت مقبولیت حاصل رہی ہے۔ ایجاز البیان فی معانی القرآن مولفہ

Marfat.com

نجم الدین ابوالقاسم محمود بن ابوالحسن نیشاپوری یہ کتاب دس ہزار سے زیادہ فوائد پر مشتمل ہے (کشف الظنون ۱: ۱۰۵)

۳۹ حاجی خلیفہ چلپی نے کشف الظنون (۲: ۱۱۶۹) پر عمدۃ التفاسیر کا نام دیا ہے مگر اس کی کوئی تفصیل نہیں کی۔ یہ بھی ایک مقبول تفسیر بیان کی جاتی ہے۔

۴۰ آئینِ اکبری حصہ دوم ص ۱۴۵

۴۱ ایضاً

۴۲ مکتوب نمبر ۲۷۸ دفتر اول حصہ پنجم از حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ۔

۴۳ حضرت شیخ محمد میر المشہور میاں میر بالا پیر قادریؒ، شیخ محمد میر نام، میاں میر عرف، والد کا نام سائیں دتہؒ بن قاضی قلندر فاروقیؒ تھا۔ سلسلہ نسب اٹھائیسویں پشت پر پہنچ کر حضرت عمر فاروقؓ تک منتہی ہوتا ہے۔ سندھ کے قدیم شہر سیوستان میں ۹۵۷ھ/۱۵۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابھی سات برس کے تھے کہ پدر بزرگوار اللہ کو پیارے ہوئے۔ بارہ برس تک والدہ ماجدہ بی بی فاطمہ بنت قاضی قادن کے سایۂ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی اور سلسلہ قادریہ کی تلقین بھی محترمہ والدہ صاحبہ سے حاصل کی۔ آپ کے والدین اور عشیرہ اپنے وقت کی عُرفا میں سے تھیں۔

علوم متداولہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حضرت خضر سیوستانیؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر بے حد ریاضت و مجاہدہ کیا۔ تکمیلِ سلوک کے بعد خرقۂ خلافت پایا اور مرشد نے لاہور میں سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا چنانچہ فرمودۂ مرشد کے مطابق لاہور آکر اقامت پذیر ہوئے، جس وقت آپ لاہور تشریف لائے عمر ۲۵ سال کی تھی اللہ تعالیٰ نے جلد ہی آپ کو مقبول خاص و عام کر دیا۔

آپ اپنے عہد کے امامِ طریقت اور واقف اسرارِ حقیقت تھے۔ علوم ظاہر و باطنی میں یکتائے روزگار اور عارفِ کامل ہوئے ہیں۔ ریاضت و مجاہدہ، زہد و تقویٰ فقر و غنا اور توکل و قناعت میں اپنے زمانے میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ ساری ساری رات عبادت میں گزر جاتی تھی۔ عارف شب زندہ دار تھے اور وحدت الوجود کے

قائل تھے۔

حضرت خواجہ خاوند محمود نقشبندی المعروف بہ حضرت ایشانؒ کے ساتھ آپکے تعلقات بہت خوشگوار تھے۔ مسائل شریعت و طریقت اور وحدت الوجود کے بارے میں اکثر مراسلت رہتی تھی۔ مگر تاحال یہ دستیاب نہیں ہو سکا۔

آپ نے ۱۰ ربیع الاول بروز سہ شنبہ ۱۰۴۵ھ/۱۱ اگست ۱۶۳۵ء بعہد شاہجہان وفات پائی۔ مزار لاہور چھاؤنی میں زیارت گاہ خلق ہے۔

سے ۴۴ سکینۃ اولیاء ص ۲۵۶

سے ۴۵ ایضاً

سے ۴۶ مشائخ نقشبندیہ مجددیہ از مولوی محمد حسن نقشبندی ص ۲۲۰، ۲۶۵، ۳۰۲ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ از علامہ نور بخش توکلی ایم اے ص ۲۸۹ روضۃ القیومیہ ص ۲۹۳

باب - ۶

سلہ کتاب الہند۔ جلد اول۔ پیش لفظ (ک)

سلہ ۲ ص ۲۱ چمنستان ولایت بحوالہ سوانح عمری حضرت خواجہ سید محمود بنوریؒ از مولوی فضل حق صاحب سنگھڑی (۱۹۲۲ء)

سلہ ۳ حبیب۔ دی سلطان محمود آف غزنین ص ۸۵

سلہ ۴ البیرونی انڈیا۔ جلد اول۔ ص ۲۴-۲۶

باب - ۷

سلہ ص ۲۲ چمنستان ولایت۔ بحوالہ سوانح عمری حضرت خواجہ سید محمود بنوریؒ از مولوی فضل حق صاحب سنگھڑی (۱۹۲۲ء) بیان کرتے ہیں کہ پال خاندان کے راجوں

Marfat.com

ے ماتحت ایک جاگیردار راجہ سُنام اور اس کے گرد و نواح کے علاقہ پر حکمران تھا جسکا نام راجہ جیو بیان کرتے ہیں، کتب تاریخ میں ان کا ذکر نہ ہونے کے باعث ان کی حکومت اور ان کی زندگی کے حالات بڑی حد تک پردہ اخفا میں ہیں۔ مصادر اور ماخذ کی کمی کے باعث اس زمانے کی زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔

۲ امپیریل گزیٹر آف انڈیا مطبوعہ ۱۹۰۸ء پنجاب جلد دوم ص ۲۸۷ دوبارہ اشاعت ناشر عزیز پبلشر لاہور ۱۹۷۹ء۔

۳ روزنامہ ٹریبون پنجابی مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۹ (چنڈی گڑھ) مشرقی پنجاب۔ بھارت۔

باب - ۸

۱ ص ۵۵ چمنستان ولایت، بحوالہ سوانح عمری حضرت خواجہ محمود نوریؒ از مولوی فضل حق صاحب سنگروری (۱۹۲۲)۔

۲ مقالہ درگاہ حضرت محمود نوری سُنام از ڈاکٹر نریش صاحب روزنامہ ٹربیون پنجابی مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۹ء (چنڈی گڑھ) مشرقی پنجاب، بھارت۔

۳ ایضاً

۴ "موری" پنجابی لفظ ہے جسکے معنی شگاف یا سوراخ ہے۔

باب - ۹

۱ روزنامہ ٹریبون پنجابی مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۹ء چنڈی گڑھ مشرقی پنجاب بھارت۔

۲ انگریزی مقالہ قلعہ سنام از مسٹر پریتم سیانی ٹربیون انگریزی مورخہ

Marfat.com

۱۳ر مارچ ۱۹۷۹ء چنڈی گڑھ مشرقی پنجاب (بھارت)۔

۳۔ سردار اودھم سنگھ کا اصل نام سردار رام سنگھ آزاد تھا۔ ولادت کے وقت والدین نے اودھم کے نام سے موسوم کیا تھا جو علاقہ سُنام (ریاست پٹیالہ) کے مردم خیز خطے میں دسمبر ۱۹۰۰ء (۱۲۔ پوہ ۱۹۵۷ بکرمی) میں سردار ٹہل سنگھ کمبوہ کی زوجہ تراین کور کے بطن سے پیدا ہوئے ان کا تعلق کمبوہوں کی جموں گوت سے تھا۔ آپ بچپن میں آغوشِ مادری سے محروم ہو گئے تھے۔ ان کے والد نے بیوی کی وفات کے بعد سُنام سے شہر امرتسر چلے آئے اور کچھ عرصہ بعد وہ بھی ننھے کو بے یار و مددگار چھوڑ کر راہی عالمِ بقا ہوئے۔ یتیم اودھم سنگھ کی پرورش یتیم خانہ میں ہوئی۔

جب جوان ہوئے۔ ملک و ملت کی خدمت اپنا مقصدِ زندگی قرار دیا اور ہمیشہ انقلاب پسند مخالف برطانیہ جماعت میں شامل رہتے تھے۔ حکومت برطانیہ نے آپ کو باغی قرار دے کر گرفتار کر کے چار سال کے لئے جیل میں مقید کر دیا اور گھر بار و جائیداد سب کچھ ضبط کر لی۔

۱۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کو سر مائیکل اڈوائر لفٹیننٹ گورنر پنجاب اور حادثہ جلیانوالہ باغ کے ذمہ دار نے انڈیا ہاؤس کے پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر ہندوستان کے خلاف زہر اگلنا شروع کیا۔ دفعتاً ایک فائر ہوا بے جان ہو کر گر پڑے اور مر گئے۔ ۱۱ر جون ۱۹۴۰ء کے دن آپ کو پھانسی کی سزا دی اور ۱۳ر جون کو اسے تختہ دار پر لٹکا دیا۔ آپ محبِ وطن، انسان دوست، روادار، غیر متعصب اور شریف انسان تھے۔

۴۔ حضرت سلطان باہو قدس سرہٗ۔ آپ علوم ظاہر و باطن میں جامع تھے۔ بڑے عالم متبحر تھے۔ فیض طریقت اس قدر جاری تھا کہ ہزاروں لوگ مستفید ہوئے۔ آپ قبیلہ اعوان سے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب انتیس واسطوں سے امام الاولیاء حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر منتہی ہوتا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام بایزید محمدؐ ہے۔ وہ شہنشاہ شاہجہاں کی طرف سے کوہستان میں منصب دار تھے (ماخذ مناقب سلطانی) آپ حافظ قرآن تھے۔ اپنے زمانہ کے ایک عالم تھے۔ شریعت کے سخت پابند تھے۔ کوہستان سے ملتان آکر اقامت گزیں ہوئے۔

Marfat.com

شورکوٹ میں جاگیر پائی وہاں ہی سکونت اختیار کی اور وہیں وفات پائی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام بی بی راستی تھا۔ وہ اپنی بزرگی اور پرہیزگاری کے لئے مشہور ہیں۔ آپ شورکوٹ میں ۱۰۳۹ھ میں پیدا ہوئے آپ کا اسم گرامی "باہو" ہے۔ اس نام پر بہت فخر کرتے اور فرماتے تھے۔ "میری والدہ پر اللہ کی رحمت ہو کہ انہوں نے میرا نام جو ایک ہی نقطے سے "با ہو" ہو جاتا ہے رکھا (ماخذ عین الفقر زبدۃ العارفین) آپ نے تعلیم و تربیت اپنی والدہ کی نگرانی میں پائی اور خرقہ خلافت حضرت سید عبدالرحمٰن قادری دہلوی سے حاصل کیا۔ دہلی سے شورکوٹ تشریف لائے اور تعلیم و تلقین اور رشد و ہدایت میں مشغول ہوئے۔ آپ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ شاعر بھی تھے دیوان "باہو" اور ادبیات "باہو" آپ کی یادگار ہیں۔ آپ فرماتے ہیں فقر کے تین حرف ہیں ف ق ر۔ ف سے فنائے نفس، ق سے قہر بر نفس، ر سے راضی بہ خدا مراد ہے۔ اور ف سے فخر، ق سے قرب اور ر سے راز بھی مراد ہے (ماخذ کشف الاسرار (اردو ترجمہ) ص ۱۵) آپ نے یکم جمادی الثانی ۱۱۰۲ھ کو وفات پائی۔ آپ کا مزار شورکوٹ میں واقع ہے۔

Marfat.com

(۲) کتابیات

(۱) اس تذکرہ کی تدوین و تالیف میں درج ذیل کتب کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

(۲) خزینۃ الاصفیاء (جلد اوّل و دوم) از مفتی غلام سرور۔ لاہوری
(۳) تاریخ محزن پنجاب
(۴) تذکرہ علمائے ہند۔ از مولانا رحمٰن علی صاحب
(۵) اخبار الاخیار۔ از مولانا مولوی عبدالحق محدث دہلوی
(۶) سفینۃ الاولیاء از شہزادہ داراشکوہ (فارسی نسخہ) اردو ترجمہ محمد علی لطیفی کراچی۔
(۷) تاریخ ہندوستان خان بہادر شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ دہلوی
(۸) نفحات الانس از مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ
(۹) دربارِ اکبری
(۱۰) گلزار ابرار۔ اردو ترجمہ از محمد غوثی شطاری ماندوی
(۱۱) تاریخ فیروز شاہی (برنی)
(۱۲) تاریخ فیروز شاہی از سراج عفیف مترجم مولوی محمد فدا علی صاحب
(۱۳) آئینۂ حقیقت نما جلد اول و دوم از مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی۔
(۱۴) تاریخ فرشتہ از ملا محمد قاسم
(۱۵) خطۂ پاک اوچ شریف از مسعود حسن شہاب
(۱۶) تاریخ پنجاب از محمد بوٹے شاہ (قلمی نسخہ) پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

Marfat.com

(۱۷) خلاصۃ التواریخ از سجان رائے بٹالوی
(۱۸) "تاریخ مبارک شاہی" از یحییٰ بن احمد سرہندی
(۱۹) طبقاتِ ناصری از منہاج سراج
(۲۰) سیر العارفین از حامد بن فضل اللہ جمالیؒ
(۲۱) سیر الاولیاء از امیر خوردؒ
(۲۲) اسرار الاولیاء از مولانا بدر الدینؒ اسحاق
(۲۳) روضات الجنان۔ طبع ایران
(۲۴) تاریخ نظامی از خواجہ نظام الدین احمد بن خواجہ مقیم ہروی
(۲۵) منتخب التواریخ از ملا عبد القادر بدایونی
(۲۶) "تاریخ پنجاب" از رائے بہادر کنہیا لال
(۲۷) عمدۃ التواریخ از سوہن لال سوری
(۲۸) "تذکرہ صوفیائے پنجاب" از مولانا اعجاز الحق قدوسی کراچی (۱۹۶۶ء)
(۲۹) کتاب الہند از البیرونی (اردو ترجمہ)
(۳۰) ANCIENT GEOGRAPHY OF INDIA BY A-CUNNINGHAM
-HAM
(۳۱) مخدوم جہانیاں جہانگشت بخاریؒ از پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب
(۳۲) اکبر نامہ
(۳۳) طبقاتِ اکبری
(۳۴) سکینۃ الاولیاء از دارا شکوہ
(۳۵) تاریخ اوچ از مولوی حفیظ الرحمٰن
(۳۶) پھلکیاں اسٹیٹ گزیٹر ۱۹۰۴ء اور پٹیالہ گزیٹر ۱۹۰۴ء
(۳۷) امپیریل گزیٹر آف انڈیا (۱۹۰۸ء) جلد ۲۳
(۳۸) فتوح السلاطین (شجرہ مشائخ چشت) بہ تصحیح محمد یوشع مدراس ۱۹۴۸ء

Marfat.com

(۳۹) مآثر العارفین از جان محمد صاحب (لاہور)
(۴۰) "تذکرہ سعیدیہ از خلیفہ محمد سعید (آلو مہار شریف) سیالکوٹ
(۴۱) چمنستان ولایت بحوالہ مولوی فضل حق (شہر سنگرور ریاست جنید (بھارت)
(۴۲) رامائن
(۴۳) غیاث اللغات اردو
(۴۴) جغرافیہ ریاست پٹیالہ از پنڈت گنیشی لال پروفیسر پٹیالہ کالج پٹیالہ
(۴۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۰ سرہند شریف
(۴۶) روضۃ القیومیہ از شیخ محمد احسان نقشبندیہ مجددی قلمی نسخہ (فارسی) پنجاب پبلک لائبریری لاہور
(۴۷) فوائد الفواد از امیر حسن سنجری ترجمہ محکمہ اوقاف شاہی مسجد لاہور
(۴۸) مشائخ نقشبندیہ مجددیہ از مولوی محمد حسن نقشبندی مجددی
(۴۹) تذکرہ مشائخ نقشبندیہ از علامہ نور بخش توکلی ایم اے
(۵۰) روزنامہ تریبون پنجابی مطبوعہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۹ء چنڈی گڑھ مشرقی پنجاب بھارت۔
(۵۱) مزارات اولیائے دہلی از محمد عالم شاہ بخاری
(۵۲) سیر المتاخرین حصہ اول و دوم
(۵۳) خیر المجالس از حمید قلندر صاحب
(۵۴) رگ ویدک انڈیا
(۵۵) مہا بھارت ترجمہ از سری رام صاحب
(۵۶) راج ترنگنی۔ ترنگ چہارم ترجمہ ٹھاکر اچھر چند شاہ پور
(۵۷) تاریخ ہند از کاہن چند پروفیسر
(۵۸) رپورٹ مردم شماری ۱۸۹۱ء حصہ اوّل جلد نمبر ۱۹
(۵۹) دعوتِ اسلام ترجمہ پیچنگ آف اسلام از پروفیسر آرنالڈ صاحب

333

(۶۰) تاریخ پنجاب محمد عبداللطیف صاحب
(۶۱) تاریخ پنجاب از بھائی پرماتند جی
(۶۲) رپورٹ مردم شماری ۱۹۰۱ء حصہ دوم جلد اول ۱۹۱۱ء
(۶۳) رپورٹ مردم شماری ۱۸۸۱ء
(۶۴) اینڈ اوریئنٹیل بایوگرافیکل ڈکشنری بائی ٹی ڈبلیو بیل مطبع نیویارک ۱۹۶۵ء
(۶۵) جغرافیہ ریاست پٹیالہ از سردار پرتاپ سنگھ
(۶۶) تاریخ پٹیالہ از خلیفہ محمد حسن صاحب
(۶۷) ماثرالکرام از مولانا آزاد بلگرامی صاحب
(۶۸) تاریخ ناصری از ناصر علی سرہندی
(۶۹) تاریخ طبقات اکبری از نظام الدین احمد
(۷۰) تاریخ سُنام از سیاح سُنامی بھارت
(۷۱) تکملہ سیرالاولیاء از خواجہ گل محمد احمد پوری۔ مطبع رضوی دہلی ۱۲۹۸ھ اردو
مترجم مسعود حسن شہاب بہاولپور
(۷۲) مناقب فخریہ از میر نذر علی درد کاکوروی سلمان اکیڈمی کراچی ۱۹۷۱ء
(۷۳) الدرالمکنون فی ترجمۃ انوار العیون۔ از شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ

سید عارف محمود مہجور رضوی
محلہ خواجگان - گجرات شہر

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

چوں شدی دور از حضورِ اولیاء!
در حقیقت گشتہ ای دور از خدا

(مولانا رومؒ)

333
1102

میرِ کارواں

تذکرہ

شیخ الاولیاء حضرت خواجہ سید محمود بنوی بخاری ثم شامی قدس سرہ

۴۴۷ھ / ۱۰۵۵ء —— ۵۱۵ھ / ۱۱۲۱ء

بتالیف

میاں اخلاق احمد ایم۔اے

ناشر

میاں اخلاق احمد (ایم اے) ۳۳۴ شادباغ لاہور (پاکستان)

سید عارف محمود مہجور رضوی

Marfat.com